اللہ
رسول
محمد

مئی
2009ء

قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

المُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ مُجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے (الحدیث)

ماہنامہ

المرشد

آج عوام و خواص سب کا یہ عالم ہے کہ جو ہماری تباہی کا سامان کرتے ہیں انہی کے پاس فریاد لے کر جاتے ہیں!

امیر محمد اکرم اعوان

ماہنامہ المرشد

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مئی 2009ء ربیع الثانی/جمادی الاول

جلد نمبر 30 | شمارہ نمبر 9

فہرست

ادار یہ	محمد اسلم	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوال شیخ	انتخاب	5
طریقہ ذکر	......	6
ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد کا نام ہے	امیر محمد اکرم اعوان	7
شیخ اور سالک کا رشتہ	امیر محمد اکرم اعوان	15
حقیقت خرافات میں کھوگئی	امیر محمد اکرم اعوان	21
اکرم التفاسیر	امیر محمد اکرم اعوان	29
امیر المکرم کا نوجوانوں سے خطاب	امیر محمد اکرم اعوان	34
اپنے اندر کی ریاست کے خودکش حملے	بنتِ سیماب	36
شیخ المکرم بطور ماہر معاشیات	منیر ایاز	41
جسمانی و نفسیاتی بیماریوں کا علاج	پروفیسر محمد شریف چوہدری	44
The Destination of Mankind	امیر محمد اکرم اعوان	49-56

مدیر

چوہدری محمد اسلم

جوائنٹ ایڈیٹر: ضمیر حیدر

سرکولیشن مینجر: رانا جاوید احمد

کمپوزنگ اینڈ لے آؤٹ

رانا شوکت حیات، محمد ندیم اختر

قیمت فی شمارہ 20 روپے

LRL # 41

بدل اشتراک

پاکستان	250 روپے سالانہ
بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ۔ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس۔ لاہور 042-6314365 ناشر۔ عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن آفس = ماہنامہ المرشد، اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ، ڈاکخانہ جوہر ٹاؤن، لاہور، فون 042-5182727

Web Site:- www.zikr-e-ilahi.com E-Mail:info@alikhwan.org.pk

رابطہ آفس = ماہنامہ المرشد اے۔ ٹی۔ ایم بلڈنگ بل کویان، سمندری روڈ، فیصل آباد، فون 041-2668819 Mob: 0346-5207282

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

لَمم

مفسرین کرام کے مطابق لَـمَـم وہ گناہ ہے جو انسان سے اتفاقاً سرزد ہو جائے مگر وہ اس پہ نادم ہو اور توبہ کرلے پھر اس کے قریب نہ پھٹکے۔ اکثر روایات کا حاصل یہ ہے کہ کسی نیک آدمی سے کبھی گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا اور اس نے توبہ کر لی تو وہ صالحین کی فہرست سے خارج نہ ہوگا کہ آپ کا پروردگار بہت ہی وسیع بخشش رکھنے والا ہے اور اس کے کرم کی بھی حد نہیں نیز نیکی کرنے والے کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ اس کے حال سے تب بھی واقف تھا جب وہ محض خاکی ذرات تھا پھر اس نے وہ ذرات جمع کر کے غذا نطفہ اور پھر انسان بنا دیا اور ماں کے پیٹ میں بنایا جبکہ وہ اپنے حال سے واقف نہ تھا اللہ اس کو بنا رہا تھا اور اس سے خوب واقف تھا پھر اسے تمام خوبیاں عقل وشعور فکر ونظر، قوت و طاقت ، اعضاء وجوارح عطا فرمائے کہ وہ اطاعت اور نیکی کرنے کے قابل ہوا لہذا کسی کو اپنے تقدس پہ ناز نہ کرنا چاہیے اور توفیق عمل کو اللہ رب العزت کا احسان ماننا چاہیے کہ یہ بات بھی صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کس قدر متقی ہے کہ تقویٰ محض اعمال ظاہری ہی نہیں ایک کیفیت قلبی ہے وہ بھی تب کام آئے گی جب موت اور قبر تک ساتھ رہی اور یہ سب صرف اللہ جانتا ہے۔

اداریہ

معیشت کی بحالی ناگزیز ھے !

انسانی زندگی میں معیشت کی ضرورت، اہمیت، افادیت اور ناگزیریت سے انکار ممکن نہیں۔ زندگی کے بیشتر مسائل و معاملات براہ راست معیشت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ معیشت کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضورﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور ایک باضابطہ اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلا کام معیشت کی بحالی کا سرانجام دیا اور مہاجرین وانصار کو بھائی چارے کے رشتے میں منسلک فرما کر سب سے پہلے معاشی مسئلے کا سدباب فرمایا۔ معیشت کی اہمیت اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ اسلامی احکامات کی روشنی میں محنت ومشقت فرض ہے اور حصول رزق حلال کے لئے تگ ودو عبادت شمار ہوتی ہے۔ امیر المکرم مدظلہ تعلیمات وبرکات نبوتﷺ کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ" ایمان کی بقاء کا تعلق بھی معیشت کے ساتھ ہے "گویا معیشت کی مضبوطی نہ صرف انسان کی مادی بلکہ روحانی حیات کا بنیادی سبب ہے۔

آج کے عہد میں جب گلوبل ویلیج کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح نظر آتی ہے کہ پوری دنیا شدید معاشی بحران کی لپیٹ میں ہے۔ آج جدید دنیا کو درپیش دہشت گردی، قتل وغارت گری، جنگ وجدل، بدامنی اور ناانصافی جیسے گوناگوں مسائل درحقیقت ارتکاز دولت، معاشی عدم استحکام اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا فطری نتیجہ ہیں۔ گلوبل ویلیج میں کھڑے ہوکر جب وطن عزیز پاکستان کی معاشی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو اس تلخ حقیقت کا احساس ہوتا ہے کہ پاکستان اپنی پیدائش سے لے کر آج تک مسلسل معاشی عدم استحکام کا شکار رہا ہے لیکن اس وقت جس معاشی بحران کی زد میں ہے اتنا شدید بحران اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا۔ زندگی کی بنیادی ضروریات کی گرانی اور عدم دستیابی کے باعث عام آدمی تڑپ رہا ہے۔ مہنگائی اور بیروزگاری نے پہلے ہی براحال کر رکھا تھا اوپر سے بجلی کی لوڈشیڈنگ نے معیشت کے پہیے کو جام کر کے رکھ دیا ہے۔ سینکڑوں ملز بند اور ہزاروں ورکرز بے روزگار ہو چکے ہیں۔ جو ملز اور ادارے چل رہے ہیں ان میں کام کرنے والے ورکرز کو بروقت تنخواہیں نہیں مل رہیں کیونکہ انڈسٹریز مالکان خود مسائل کا شکار ہیں وہ صرف اس امید پر ملز چلا رہے ہیں کہ شاید حالات بہتر ہو جائیں۔ سب سے زیادہ دھچکا ایکسپورٹ سیکٹر کو پہنچا۔ مال کی بروقت ترسیل نہ ہونے کے باعث غیر ملکی تاجروں نے سودے منسوخ کر دیئے اس سے نہ صرف انڈسٹری متاثر ہوئی بلکہ بین الاقوامی منڈی میں پاکستانی تاجروں کی ساکھ کو بھی شدید نقصان پہنچا۔

تنخواہ دار طبقہ اس وقت انتہائی نامساعد حالات میں گزر بسر کرنے پر مجبور ہے کیونکہ اخراجات تنخواہ سے کئی گنا بڑھ چکے ہیں۔ بجلی، گیس اور یوٹیلیٹی بلز میں بے پناہ اضافے نے تنخواہ اور اخراجات میں شدید عدم توازن پیدا کر دیا ہے اور معاشی زبوں حالی کے باعث تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ بھی نہیں ہو رہا۔ زراعت سے منسلک افراد کے اپنے مسائل ہیں۔ ڈیزل، پٹرول اور کھاد کی قیمتوں میں اضافے نے کسانوں کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ غرض کوئی شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو معاشی مسائل سے دوچار نہ ہو۔ موجودہ حالات کی نزاکت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جس ملک کے ملز اونرز اور اعلیٰ کاروباری لوگ سراپا احتجاج ہوں اس ملک کے مزدوروں اور غریبوں پر کیا گزر رہی ہوگی۔ اس ضمن میں سب سے خطرناک بات حکومت کا ناعاقبت اندیشانہ رویہ ہے۔ تادم تحریر حکومت کے پاس معاشی استحکام کا کوئی پلان سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ حکومتی زعما پورے تندہی کے ساتھ غیر ملکی بینکوں سے قرض اور بیرونی ممالک سے امداد حاصل کرنے کے لئے کوششیں کر رہے ہیں حالانکہ وطن عزیز کا بچہ بچہ خوب آگاہ ہے کہ قرضوں سے کبھی معاشی خوشحالی نہیں آئے گی بلکہ مسائل پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جائیں گے۔ اب ایک بات طے ہے کہ ملک میں معاشی خوشحال کے قابل عمل، واضح اور نتیجہ خیز پلان کے بغیر کوئی حکومت بھی کامیاب نہیں ہوسکتی کیونکہ معاشی عدم استحکام کے باعث اس قدر گوناگوں اور لرزہ خیز مسائل جنم لے سکتے ہوں جو بیان سے باہر ہیں۔ ان حالات میں ارباب اقتدار سے ہمدردانہ گزارش ہی کی جاسکتی ہے کہ معاشی بدحالی جیسے ناگزیر مسئلہ کی جانب فوری اور پوری توجہ مبذول کریں کیونکہ عوام کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے اور ایک تنکے کا بوجھ بھی پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان؛ سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر | نشانِ منزل | کونسی ایسی بات ہوئی ہے | سوچ سمندر | متاعِ فقیر | آس جزیرہ | دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

"میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں؛ اس کی مجھے خبر نہیں؛ اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سیکھا یا کم؛ سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔
اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرّم کا فیض نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔
اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔"

غزل

غم یار نے ہم کو جینا سکھایا
کہ پیارا ہے ہم کو یہ سارے جہاں سے

بھرا ہے گلوں سے زمانے کا گلشن
کوئی تیرے جیسا ہو لاؤں کہاں سے ؟

تمہاری غلامی نے کیا کچھ دیا ہے
چھڑایا ہے اس نے غم دو جہاں سے

جدائی میں آنکھوں نے کیا روپ دھارا
یوں لگتا ہے جیسے ہوں چشمے رواں سے

وہیں جاگتا ہوں اکثر اکیلا
کبھی مل کے گزرے تھے دونوں جہاں سے

سنا ہے چمن میں بہار آگئی ہے
اڑی ہے خبر طائروں کی زباں سے

اگر کوئی پوچھے وہ گزرے فسانے
بتاؤ کہانی سناؤں کہاں سے

برس کر کیا ہے جہاں بھر کو سیراب
ہمیں تشنہ لب جا رہے ہیں جہاں سے

سنائیں کوئی بات سیماب کی بھی
پھرے پوچھتے ، ہم یہاں سے ، وہاں سے

اقوالِ شیخ

☆......جس بندے کے اندر یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ میں کون ہوں مجھے کس نے تخلیق کیا ہے گویا وہ انسان ہی نہیں ہے۔

☆......ایمان وہ کامل ہوتا ہے۔ جو بندے کو مجاہدے پر مجبور کردے، ایمان کی قوت ہی بندے کو استعداد کار عطا کرتی ہے۔

☆......جو لوگ زندگی میں اللہ کی مخلوق کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے قرآن حکیم انکی زندگی کو چوپایوں کی زندگی سے مشابہ قرار دیتا ہے۔

☆......بندے کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ اسے کوئی مشکل ہی پیش نہیں آئے گی، ہر شخص کی ذات مقام اور مرتبے کے مطابق اس پر مشکلات بھی آتی ہیں۔

☆......جس کسی ہستی کی نبوت کا اقرار کرلیا جائے تو پھر سوالات کی گنجائش باقی نہیں رہتی سمجھنے کے لئے سوال کرنا اور بات ہے لیکن اعتراض کے لئے سوال کرنا گستاخی ہے

☆......حضور علیہ وسلم صلی اللہ کی امت کے لئے توبہ انتہائی آسان ہے، صرف ایک شرط ہے، خلوص کے ساتھ اللہ سے معافی مانگیں اور برائی کا رویہ چھوڑ دیں۔

طریقہ ذکر

امیر محمد اکرم اعوان

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمدورفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ اُس لطیفہ پر لگے جو کیا جارہا ہو۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز رہے اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ:- ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کیلئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پہ لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا کر ٹکرائے۔

ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد کا نام ہے

امیر محمد اکرم اعوان

ماہانہ اجتماع دارالعرفان منارہ 4 اپریل 2009ء

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیمo

والعصر o ان الانسان لفی خسر oالاالذین امنو وعملوالصلحت وتواصوابالحق وتواصوابالصبرo

قرآن حکیم کی اس مختصر سی سورۃ مبارکہ کا عام فہم زبان میں بامحاورہ ترجمہ یوں بنتا ہے کہ زمانہ شاہد ہے کہ یقیناً انسان خسارے میں جا رہا ہے۔ ہر ایک سے اس کی مہلت عمل نکلتی چلی جا رہی ہے لیکن انسانوں کی ایک قسم ہے جو خسارے میں نہیں ہے وہ ہیں اہل ایمان جنہیں نور ایمان نصیب ہو گیا وہ اس لئے خسارے میں نہیں کہ زندگی کے جو لمحات انہیں ملے وہ اپنے مصرف پر خرچ ہو رہے ہیں وہ تعمیر آخرت پر صرف ہو رہے ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ کریم نے زمانے کی قسم کھا کر انسان کو متنبہ کیا ہے۔ اللہ کریم کو قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور جو وہ فرما دیتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ قسم سے مراد یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جائے وہ اس بات پر گواہ ہے اور چونکہ صرف اللہ ہی ہر چیز پر گواہ ہے اس لئے اللہ کے علاوہ کسی کی قسم کھانا شرعاً ناجائز ہے۔ ہمارے ہاں یہ رواج ہندوؤں سے آیا ہے کہ بزرگوں کی اولاد کی یا جان کی قسم کھائی جاتی ہے۔ ایسی تمام قسمیں لغو ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں زمانہ گواہ ہے کہ یقیناً انسان خسارے میں ہے یعنی انسان کی عمر کا زمانہ ماہ و سال روز و شب گزرتا ہوا ہر لمحہ اس کا سرمایہ ہے جس کے درست استعمال سے وہ دنیا و آخرت کی بھلائیاں سمیٹ سکتا ہے اور عمر کے اوقات کو ضائع کر کے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ ہر حال میں وقت انسان کے ہاتھ سے نکلتا چلا جاتا ہے۔ والدین بچے کے ہر سال عمر بڑھنے پر خوش ہوتے ہیں کہ بچہ بڑا ہو رہا ہے اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اس کی عمر کل عمر سے ایک سال کم ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک رواج ہمارے ہاں انگریزوں سے در آیا ہے کہ بچے کا یوم پیدائش منایا جاتا ہے۔ اور یہ اتنا مستقل ہو گیا ہے کہ جن لوگوں کو مرے ہوئے کئی سال ہو چکے ہوں ان کا بھی یوم پیدائش منایا جاتا ہے مرنے کی کسی کو فکر نہیں کہ وہ کس عقیدے پر مرا اس کے ساتھ کیا ہوا؟ یہ سالگرہ منانا کیوں ہر گھر کا رواج بن گیا ہے؟ اس لئے کہ غلامی بہت بڑی لعنت ہوتی ہے۔ غلام مالک کو بہت افضل سمجھتا ہے، بہتر مخلوق سمجھتا ہے اس کی عادتیں، اس کے اطوار اور اس کے خصائل اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ ہماری بدنصیبی کہ ہم عیسائیوں کے غلام ہو گئے۔ عیسائی خود راستے سے بھٹک چکے ہیں، اور ہم نے ان مشرکین کے رواجات کو زندگی کا مقصد بنا لیا ہے یہی دیکھ لیجئے کہ ہر بچے بڑے کی سالگرہ منانے کی رسم لوگوں نے انگریز کی غلامی میں اختیار کر رکھی ہے جبکہ جسے ہم سالگرہ سمجھ رہے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ بچے بڑے کی زندگی مستعار سے ایک سال کم ہو گیا ہے وہ ایک سال اور موت کے قریب ہو گیا ہے اس کے فرصت کے لمحات میں سے ایک سال کم ہو گیا ہے اور اسی سورہ مبارکہ میں اسی مہلت

عمل کو بنیاد بنا کر فرمایا گیا ہے کہ زمانہ اس بات پر گواہ ہے کہ انسان خسارے میں ہے اگر کوئی بڑا با اقتدار ہے، شہنشاہ ہے، حاکم ہے، تو وہ یہ وقت کھو رہا ہے آخر ہر چیز اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی۔ دولت مند ہے تو دولت چھوڑ جائے گا، جس جس حال میں بھی ہے وہ تو نقصان میں ہی جا رہا ہے اس سے اسکی فرصتِ عمل پھسلتی جا رہی ہے۔ ہاں ایک صورت جس میں فرصت عمل کے ہاتھ سے نکلنے کے باوجود انسان خسارے میں نہیں ہے فرمایا اِلا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ وہ لوگ خسارے میں نہیں ہیں جنہیں ایمان نصیب ہے۔ مومنین کی زندگی کے لمحات ضائع نہیں ہوتے ایمان کیا ہے؟ ایمان دل کی ایک حالت کا نام ہے ایمان ایک کیفیت کا نام ہے اگر ہم اسے بہت سادہ کر کے سمجھنا چاہیں تو جو میں سمجھ سکا ہوں تو ایمان نام ہے "محمد رسول ﷺ پر اعتبار کرنے کا" ایمان اعتماد الرسول ﷺ کا نام ہے۔ اب جس کو حضور ﷺ پر جتنا اعتبار ہے اتنا ہی اس کا ایمان ہے انسان اللہ کریم کو بغیر حضور ﷺ پر اعتبار کیے پہچان ہی نہیں سکتا بعثت عالی سے پہلے عہد فترت میں کوئی اللہ کا نام بتانے والا نہیں تھا حضرت عیسیٰ کے پانچ سو سال بعد حضور ﷺ کی بعثت ہوئی ان پانچ صدیوں کو عہد فترت کہتے ہیں۔ عہد فترت میں بھی دانشور تو تھے، سائنسدان، مورخین، ادیب و شعرا بھی تھے، ہر شعبہ زندگی کے مانے ہوئے لوگ تھے، بڑی بڑی سلطنتیں اور ریاستیں بھی تھیں لیکن کوئی اللہ سے واقف نہ تھا اس لئے کہ تنہا انسانی دماغ ذات باری کو نہیں پا سکتی اللہ کے جمال کے مظاہرے سے، اسکی قدرت کی جو نشانیاں روز مرہ انسان کے مشاہدے میں آتی ہیں، ان سے اور کائنات کے رواں دواں نظام کو دیکھ کر بندہ جو اندازہ لگا سکتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ کوئی ہے جو اس نظام کو چلا رہا ہے، کوئی ہے جو اس کا خالق و مالک ہے اس سے زیادہ سمجھنے کی استعداد کے لئے انسان کو نور نبوت کی ضرورت ہے۔

وہ مختار کل کیسا ہے جسکی مرضی کے مطابق ہر چیز چل رہی ہے یہ بتایا محمد الرسول اللہ ﷺ نے۔ اللہ کی ذات کیسی ہے؟ صفات کیسی ہیں؟ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ ہم کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جا رہے ہیں؟ موت کیا ہے؟ مابعد الموت کیا ہے؟ آخرت کیا ہے؟ ملائکہ، جنت و دوزخ کیا ہیں؟ یہ ساری باتیں بتائیں آقائے نامدار ﷺ نے۔ سب سے پہلی بات سورۃ العصر میں یہ بتائی گئی کہ جنہیں نور ایمان نصیب ہے وہ خسارے میں نہیں ہیں۔ ایمان اعتماد کا نام ہے اور ایمان کے اعتماد کی آزمائش میدان عمل میں ہوتی ہے اسی لیے فرمایا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بندے کی عملی زندگی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اسے نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر اعتبار ہے یا اس نے رواجاً مان رکھا ہے عملاً نہیں مان رہا در اصل بندہ جب دار العمل میں داخل ہوتا ہے، لین دین کرتا ہے تو اگر اسے حضور اقدس ﷺ پر اعتبار ہے تو اس کے ہر کام کا انداز حضور ﷺ کے حکم کے تابع ہوگا اور وہ آپ ﷺ کی نافرمانی کا سوچ بھی نہیں سکے گا بتقاضائے بشریت اس سے بھی غلطی ہو سکتی ہے لیکن وہ غلطی اسے پریشان کر دیتی ہے اسے دکھ لگ جاتا ہے کہ اس سے ایسا کیوں ہوا؟ جو حضور ﷺ کو پسند نہیں اور ہمارے ہاں مسلمانی یہ ہے کہ

وضع میں تم ہو نصاریٰ اور تمدن میں ہنود
یہ مسلماں جسے دیکھ کر شرمائیں یہود

کہ تم نے اپنے حلیئے، شکل و شباہت، لباس بول چال رنگ ڈھنگ عیسائیوں جیسا بنالیا ہے اور معاملات زندگی طور اطوار، اٹھنا بیٹھنا، شادی بیاہ، سوگ، لین دین کی ساری رسومات ہندوؤں سے لے لی ہیں اور کردار اتنا گھناؤنا ہو گیا ہے کہ دنیا کی خبیث ترین قوم یہودی بھی تمہارے کردار سے گھبراتے ہیں تم تو ان سے بھی گئے گزرے ہو۔ جو اپنی جان ضائع کر کے بے گناہ انسانوں کو قتل کر دیتا ہے اسے کیا

سمجھیں؟ کیا اس کا حضور ﷺ پر ایمان ہے؟ کیا اس نے محمد الرسول ﷺ سے کچھ سیکھا؟ مساجد میں نمازیوں پر بم گرانے کا عمل کیا اس شخص کے حضور ﷺ پر اعتماد اور اعتبار کو ظاہر کرتا ہے؟ اگر اس کا حضور پر اعتبار ہوتا تو آپ ﷺ نے تو عین حالت جنگ میں فرمایا تھا کہ کسی مشرک یا کافر قوم کی عبادت گاہ کو نہ چھیڑا جائے ان کا یہ معاملہ ان کے رب کے ساتھ ہے کہ بتوں کی پوجا کیوں کر رہے ہیں اگر حالت جنگ میں کافروں کی عبادت گاہوں کو نہیں چھیڑا جا سکتا تو مسلمانوں کی مساجد تو خالصتاً اللہ کی عبادت کے لئے مختص ہیں اس میں موجود لوگ لاکھ گنہگار سہی جاہل و نادان سہی لیکن آخر وضو کر کے قبلہ رو ہو کر اللہ کے حضور سجدہ ریز تو ہیں انہیں قتل کرنا کیسے روا ہے؟ خودکشی ویسے ہی حرام ہے پھر اپنے ساتھ دوسروں کو قتل کرنا یہ کام کرنے والے کے بارے کیا کہیں اسے اعتماد علی الرسول نصیب ہے؟ اگر عوام کے اعتماد کا یہ حال ہے تو خواص کو بھی دیکھ لیجئے۔ میر نے کہا تھا

میر بھی کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

ہمارے حکمران بھی اتنے سادہ ہیں کہ دہشت گردی کی یہ ساری سازش جن کافر طاقتوں کی ہے انہی کو خوش کرنے کے لئے رات دن زور لگا رہے ہیں یعنی جن کے سبب بیمار ہوئے ان سے ہی دوا تلاش کرتے ہیں۔ جس بندے کا جینا مرنا، اٹھنا بیٹھنا، گفتار و کردار محض امریکی رضا کی تلاش ہے اس کا محمد الرسول ﷺ پر اعتبار کیا ہے؟ امریکہ بہت بڑا ملک سہی اس کے پاس جدید وسائل سہی لیکن کیا حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں قیصر و کسریٰ سپر پاور نہیں تھیں! قیصر کے ایک ایک گورنر کے ماتحت ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ فوج تھی۔ لیکن کیا ہوا؟ پوچھئے اس بوڑھے آسمان سے اسی سورج نے اس زمانے میں یہ بھی دیکھا کہ روئے زمین پر ایک اللہ کا بندہ، یک و تنہا اعلان کر رہا ہے **لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ**۔ نبی کریم ﷺ نے جب یہ اعلان فرمایا تو حضور ﷺ کے ساتھ کتنے لوگ تھے کون سی مادی طاقتیں اور کتنے لاؤ لشکر تھے؟ آپ ﷺ کی مخالفت میں دو مادی سپر پاورز تھیں۔ مشرکین مکہ اور کفار عرب سے لیکر روئے زمین کا سارا کفر جمع ہو گیا تھا اور اس آواز کو دبانے کے لئے ہر ممکن سبب اختیار کیا گیا تھا۔

حضور ﷺ کی غلامی کس نے کی؟ خواتین میں حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ کو ایمان نصیب ہوا مردوں میں ابوبکر صدیق ؓ بچوں میں حضرت علیؓ یوں ایک سے دو ہوئے اور پھر دو سے چار کتنا بڑا لشکر بن گیا! ایک بچہ ایک نوجوان ایک خاتون اور ایک اللہ کا نبی ﷺ کیا حضور ﷺ نے کسی مادی طاقت کا سہارا لیا؟ تیرہ برس کون سا ظلم ہے جو اہل مکہ نے مسلمانوں پر روا نہیں رکھا کونسی تکلیف ہے جو حضور ﷺ کو نہیں پہنچائی۔ بلکہ حضور ﷺ کی مخالفت میں روئے زمین کا کفر اکٹھا ہو گیا تو بھی حضور ﷺ کسی مادی طاقت کو خاطر میں نہ لائے یہاں تک کہ جب مدینہ منورہ کے مخلص مسلمانوں کا وفد عقبہ کی گھاٹی میں حضور ﷺ سے شرف ملاقات حاصل کر چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ چاہتے ہو اور دعوت دے رہے ہو میں مدینہ منورہ آ جاؤں لیکن کیا آپ لوگوں کو یہ خبر بھی ہے کہ آپ جو دعوت مجھے دے رہے ہیں اس کا انجام کیا ہوگا؟ اور میرے ہجرت کر کے مدینہ آ جانے سے کیا نتائج ہوں گے۔ انہوں نے عرض کی حضور ﷺ ہم جانتے ہیں کہ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائیں گے روئے زمین کا سارا کفر ہم پر ٹوٹ پڑے گا ہمیں پتہ ہے کہ ہم کیا کرنے جا رہے ہیں۔ ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ پر اپنی جانیں نچھاور کریں گے ہم اپنے بھائی اور بیٹے آپ ﷺ پر قربان کریں گے اور آپ کی حفاظت

اپنی اولاد سے بڑھ کر کریں گے اور آپ کی غلامی کا حق ادا کر دیں گے۔

انصار مدینہ کی اس گفتگو کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی دعوت قبول کی اسلام کی ساری تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ قیصر و کسریٰ تھے یا یہود و نصاریٰ مشرکین کوئی قوت اسلام کو زیر نہ کر سکی جو بھی مسلمانوں سے ٹکرایا وہ پاش پاش ہوتا گیا اور حق کی یہ آواز جو اللہ کے ایک بندے کے اعلان سے شروع ہوئی وہ بڑھتی گئی اور روئے زمین پر پھیل گئی۔ اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ قیام قیامت تک یہ دین قائم رہے گا یہ کتاب موجود رہے گی کہ اس کی حفاظت کا ذمہ دار اللہ خود ہے۔

آج ہمیں یہود و نصاریٰ کو خوش کرنے کی ضرورت کہاں سے پیش آ گئی؟ کیا یہود و نصاریٰ دین کے محافظ ہیں کہ دین کی حفاظت کریں گے؟ کسی نے انٹرنیٹ پر مجھے ایک مشہور کتاب "دنیا کے سو معروف آدمی" بھیجی جس میں پہلا نام نبی کریم ﷺ کا ہے اور اس میں بے شمار غیر مسلموں نے حضور ﷺ کی صداقت پر گواہی دی ہے۔ میں نے اسے دیکھا اور مجھے دکھ ہوا۔ بھیجنے والے نے تو شاید اس لئے بھیجی ہو کہ میں غیر مسلموں کی گواہیاں پڑھ کر خوش ہو جاؤں گا لیکن میرا اللہ گواہ ہے مجھے بہت دکھ ہوا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیا ہم اس جگہ پر پہنچ گئے ہیں کہ حضور ﷺ کی صداقت کیلئے ہمیں کافر کی گواہی کی ضرورت ہے؟ یعنی اب ہمیں یہودی، عیسائی اور بت پرست ہندو بتائیں گے کہ حضور ﷺ سچے نبی تھے اور تب ہمیں آپ ﷺ کی صداقت پر یقین آئے گا؟ کیا ہم اس درجہ گر گئے ہیں؟ یہ تو اپنی اپنی سوچ کا انداز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں ہی غلط سوچ رہا ہوں لیکن جس انداز سے میں نے اسے دیکھا مجھے بہت دکھ ہوا۔

جب اللہ کریم نے اکیلے ایک بندے کو حق کا پیغام پہنچانے کا حکم فرمایا تو کس کی گواہی طلب کی؟ فرمایا **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کُلِّہ** کیسی عجیب بات ہے ظاہری حالت یہ ہے کہ مٹھی بھر مسلمان ہیں اور دنیائے کفر انہیں تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے ان حالات میں اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میرا تعارف یہی ہے کہ میں وہ ذات ہوں جس نے اپنے بندے اور رسول ﷺ کو انہی لوگوں کے درمیان مبعوث کیا ہے انہیں دین حق اور ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ تمام ادیان باطلہ پر میرے نبی علیہ السلام کا دین غالب آ جائے۔

یا اللہ یہ کیسے ہوگا کہ یہ تو چند لوگ ہیں اللہ کریم نے فرمایا **و کفیٰ باللّٰہ شھیدا** میں اس پر گواہ کافی ہوں کہ ایسا ہوگا۔ آج ہمارے لئے اللہ کی گواہی کافی نہیں رہی؟ آج ہمیں ضرورت ہے کہ کوئی یہودی بتائے کہ حضور ﷺ سچے تھے؟ کوئی ہندو بتائے کہ حضور ﷺ سچے تھے؟ پھر اس کیفیت کو ہم ایمان سمجھیں۔ آج عوام و خواص سب کا یہ عالم ہے کہ جو ہماری تباہی کا سامان کرتے ہیں انہی کے پاس فریاد لیکر جاتے ہیں۔ انہی سے مدد کی درخواست کرتے ہیں مسلمانی کا دعویٰ کرنے کے باوجود سوچ و فکر میں عمل و کردار میں ہم اتنے نیچے گر چکے ہیں کہ انسانیت نام کی کوئی چیز ہمارے کردار میں باقی نہیں رہی۔ خواص کی بے حسی ہے کہ عوام پسے چلے جا رہے ہیں کہیں بم بلاسٹ ہو یا کوئی اور دھماکہ و فساد صرف غریب ہی زد میں آتے ہیں۔ امیر و وزیر تو ہمیشہ بال بال بچ نکلتے ہیں پنڈی میں جو دھماکہ ہوا تو چند سپاہی ہی مارے گئے۔ یہی کہا گیا ہے۔

"نزلہ بر عضو ضعیف میر زد" بندے کو نزلہ ہو جائے تو بدن کا جو حصہ پہلے سے کمزور ہو وہی متاثر ہوتا ہے۔ کان کمزور ہوں تو بند ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں کمزور ہوں تو نظر بند ہو جاتی ہے پٹھے کمزور ہوں تو وہ بے

کار ہو جاتے ہیں عضو ضعیف ہی پر نزلہ گرتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی مرنے کیلئے غریبوں کے بیٹے ہی ہیں وہ وردی میں مریں یا بغیر وردی کے مریں بازار میں مریں یا ڈیوٹی پر ساری مصیبت غریبوں کے لئے ہی ہے، سارے ملکی وحکومتی وسائل تو بااثر لوگوں کی حفاظت پر کمربستہ ہیں۔ غریب کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں مرتا ہے تو مر جائے زندہ رہے تو بیگار کرتا رہے۔ یہ کردار کیا ظاہر کرتا ہے؟

عام لوگوں کے ایمان کا یہ حال ہے کہ ایک ای میل آئی کہ لوگ مجھے Confuse کر دیتے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کوئی کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے بات کرے تو یہ سوال تو ہو سکتا ہے اس میں Confuse نہیں ہو سکتا۔ اور کسی کے کہنے سے ایمان متزلزل ہو جائے کسی کے اعتراض سے ایمان ڈگمگا جائے تو اس حالت کو ایمان کہنا خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں، ایمان صرف دعوے کا نام نہیں ایمان دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو حضور ﷺ کی صداقت کو تسلیم کرلے اور بے چون و چراں تسلیم کرلے اس لیے تسلیم کرلے کہ حضور ﷺ سچے ہیں حضرت رحمۃ اللہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس ایک عالم تشریف لائے وہ منطق کے بہت بڑے ماہر تھے اور اپنے زمانے کے یگانہ روزگار تھے۔ ان کا وقت آخر تھا انہوں نے حضرت سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ ابلیس ان کے سامنے منطقی دلیلیں دیتا ہے اور جب وہ منطق سے جواب دیتے ہیں تو ابلیس اپنی دلیلوں سے انکی دلیل کو رد کر دیتا ہے۔ اب تک وہ ننانوے دلیلیں دے چکے تھے اور ابلیس انکی ہر منطق کو نئی منطق سے توڑ دیتا تھا حضرت نے انہیں تلقین کی کہ اب جب وہ کوئی دلیل مانگے تو اسے صرف ایک دلیل دو کہ محمد الرسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اور جب انہوں نے یہ جملہ فرمایا تو ابلیس دفع ہو گیا۔

یہ سوچنے کا لمحہ ہے کہ ہر بندہ اپنے آپ سے پوچھے کہ اس کے ایمان کی حالت کیا ہے؟ میں اپنے آپ سے پوچھوں آپ اپنے آپ سے پوچھیں اور دوسروں کے ممتحن نہ بنیں اپنی فکر کریں جواب تو سب کو اپنا دینا ہے دوسرے کا جواب نہ میں نے دینا ہے نہ آپ نے دینا ہے لہذا اپنے دل کے کھرے پن کو تلاش کریں۔ ظاہری اعمال دلی کیفیات کے مظہر ہوتے ہیں۔

ایک صحابی مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور ان کے دوش پر ایک ایسی چادر تھی جس کا رنگ اتنا شوخ تھا کہ آپ ﷺ نے اسے مردوں کے استعمال کیلئے پسند نہ فرمایا چند دن بعد حضور ﷺ نے اس چادر کے بارے استفسا فرمایا تو صحابی نے عرض کی کہ وہ چادر تو انہوں نے اسی دن تندور میں جھونک ڈالی تھی کہ جس چیز کو حضور ﷺ ناپسند فرمائیں پھر اس کا وجود ہی دینا میں کیوں باقی رہے؟ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن دل کی کیفیت کا پتہ دیتی ہے جسے ایمان کہتے ہیں۔ ایمان کی تعریفیں بہت لکھی گئی ہیں لیکن جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ آقائے نامدار ﷺ پر جس کو جتنا اعتبار رہا اتنا ہی اس کا ایمان ہے اور اس اعتبار، اعتماد علی الرسول کی گواہی بندے کا عمل دیتا ہے۔

آج کے مسلمان اپنے محبوب سے اپنے نبی رحمۃ للعلمین ﷺ سے اتنی دور جا چکے ہیں کہ کافروں کے ہاتھوں ذلیل ہوتے ہیں اور کافروں ہی سے پناہ چاہتے ہیں۔ پنڈی میں حادثہ ہوا ٹی وی پر تفصیلات بتائی گئیں کہ ملزمان پکڑے گئے اسلحہ برآمد ہو گیا لیکن حکومت کے منہ سے نہیں نکلتا کہ یہ ہتھیار فلاں ملک کے ہیں اس لیے کہ ان ممالک سے ڈرتے ہیں۔ اگر حکمرانوں کو دشمنوں کی رضامندی اتنی مطلوب ہے تو پھر وہ گڈریا جو بھیڑیوں کو راضی رکھنا چاہتا ہو وہ بکریوں کو بھیڑیوں سے کیسے بچا سکتا ہے؟

یہاں تو دہشت گردی کرنے کیلئے رقم بھی امریکہ دیتا ہے اسلحہ بھی امریکہ دیتا ہے اور حکمرانوں کو خیرات بھی امریکہ ہی دیتا ہے کہ ان کے

خلاف ایکشن کرو یعنی ایک طرف سے مارنے والے بھی مریں تو مسلمان مریں اور مرنے والے بھی مریں تو مسلمانوں ہی مریں۔ دونوں طرف امریکہ کی مدد جاری ہے امریکہ کا آلہ کار بننے والے اس کردار کے حامل لوگوں کو کیا اعتماد علی الرسول ہے کیا ایسے لوگوں میں ایمان ہے؟ مشرکین عرب کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں سے کہہ دینا ہم عیش کرتے ہیں اور تم بھوکوں مرتے ہو اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں تو اللہ میاں بھی عیش کروا رہا ہے اور اگر آخرت ہے تو وہاں بھی انکی عیش ہی ہوگی۔ یہی بات ہمارے آج کے حکمرانوں کے کردار میں نظر آتی ہے کہ انہیں دنیا میں بادشاہی نصیب ہے موج کر رہے ہیں اور مریں گے تو شہید بھی وہی ہوں گے۔ لیکن حق یہ ہے کہ شہید وہی ہے جو حضورﷺ کی غلامی میں جان دے میرے اور آپ کے کہنے سے کسی حقیقی شہید کی شہادت چھن نہیں جائے گی۔ اور جو مجرم ہے وہ ہمارے کہنے سے شہید نہیں ہوگا۔ شہادت اس کے لئے ہے جو یقین واعتماد سے لبریز ہو جس میں ایمان ہو۔

ہمارے حکمرانوں کو امریکہ کا خوف ہے اس سے نفع کی امید ہے اس پر اعتماد واعتبار ہے اور عوام کا یہ حال ہے کہ بھگا دیتے ہیں پھر یہ چند سال بعد آجاتے ہیں ہم انہیں سروں پر بٹھاتے ہیں اس طرح ان بیس بائیس خاندانوں کی باریاں لگی ہوئی ہیں اور عوام نے اللہ سے اپنی امیدیں وابستہ کرنے کے بجائے حکمرانوں کے درباروں سے امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ کیا اس مرض کا کوئی حل ہے؟ حل یہ ہے کہ ایمان حاصل کیا جائے اور سب سے پہلے اپنے دل کو نور ایمان سے روشن کیا جائے پھر اعمال صالحہ کئے جائیں اور اس کی ایک ہی دلیل ہے کہ مجھے محمد الرسول اللہﷺ نے جو کہا ہے وہی حق ہے مکے میں ایک مشرک تھا سر راہ اس کی ملاقات حضورﷺ سے ہوئی تو اس نے کہا کہ وہ ایک گھوڑے کا بچہ پال رہا ہے جسے وہ مکئی کے دانے کھلاتا ہے یعنی مکہ میں مکی کے دانے کھلانا بہت قیمت رکھتا تھا۔ بہر حال اس نے کہا کہ یہ گھوڑے کا بچہ جب بڑا ہوگا تو اس پر بیٹھ کر وہ حضورﷺ کے مقابلے میں آئے گا۔ آپﷺ نے فرمایا کہ تم آؤ گے اور میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گے۔ وہ آپﷺ کے مقابل میدان جنگ میں اسی گھوڑی پر سوار آیا اس حالت میں کہ سر سے پاؤں تک لوہے کے لباس سے خود کو محفوظ کر رکھا تھا آپﷺ نے نیزہ مارا جو اسکی خود میں سے گزر کر اسکی گردن پر ہلکی سی خراش چھوڑ گیا، لیکن وہ گھوڑے سے گر گیا اور تڑپنے لگا اس کے ساتھی اسے اٹھا کر خیمے میں لے گئے اس کا خود اتارا تو ہلکی سی خراش تھی وہ حیران ہوئے کہ وہ کیوں چلا رہا ہے اور اس کے تڑپنے کی وجہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا دیکھنے میں یہ ایک خراش ہے لیکن مجھ سے پوچھو یوں لگتا ہے اس میں آگ بھر گئی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اب میں زندہ نہیں بچوں گا میں اسی سے مر جاؤں گا اس لیے کہ یہ بات اس ہستی نے کہی تھی جس کی کہی ہوئی بات آج تک غلط نہیں ہوئی اور وہ مکہ پہنچنے سے پہلے ہی واصل جہنم ہو گیا۔ علماء لکھتے ہیں کہ وہ بد بخت ترین انسان تھا جو حضورﷺ کے ہاتھوں قتل ہوا اور صرف یہی ایک قتل آپﷺ کے ہاتھوں ہوا۔

اتنا یقین تو اس بد بخت ترین انسان کو بھی تھا کہ جو آپ فرما دیتے ہیں ﷺ وہ سچ ہوتا ہے تو جس بندے کو کلمہ پڑھ کر بھی Confusion رہ جائے اسے کیا سمجھیں کہ اس میں کیا ایمان ہے؟ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جن لوگوں کو ذکر کرتے، تہجد پڑھتے، تقریریں سنتے، نمازیں پڑتے برسوں گزر گئے ان پر کوئی مخالف اعتراض کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ Confuse ہو گئے اور ان کا ایمان ڈگمگا گیا۔ اتنا کمزور ایمان کیوں ہے کہ وہ ایمان پر مطمئن ہو سکے نہ کفر کر سکے اگر اتنا کمزور ایمان ہے جو بات بات پر ڈگمگا جاتا ہے تو اس کا فائدہ؟ اس کا حل یہ ہے کہ حضورﷺ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کیا جائے۔

ایمان ویقین میں کمی اور کمزوری شخصیت میں کمزوری پیدا کرتی ہے۔ مجھے بہت سے خطوط ایسے ہی لوگوں کے آتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ان کے لئے دعا کی جائے کہ وہ دوسروں کو سمجھا سکیں بیان کر سکیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک گلاس تین چوتھائی بھرا ہوا ہے اور ایک چوتھائی خالی ہے کیا میری دعا سے اس میں سے پانی بہنا شروع ہو جائے گا اور دوسروں کو بھی سیراب کرے گا۔ نہیں، ہرگز نہیں اسے بھر جانے دیا جائے اس میں پانی کی آمد جاری رکھی جائے پھر یہ چھوٹا سا گلاس بہتا بہتا شاید ساری مسجد کو تر کر دے بشرطیکہ اس میں پیچھے سے پانی آتا رہے اور یہ خود بھرا رہے۔ اپنے دل کو نورِ ایمان سے لبالب بھر لو ایمان کے انوارات وبرکات کی آمد جاری رہے گی۔ تو از خود یہ چشمہ آگے بہتا رہے گا میری دعاؤں کی اس میں ضرورت نہیں رہے گی بلکہ حق بات کہنے سے آپ رک نہیں سکیں گے اور اگر آپ کے دل کا برتن ابھی ادھورا بھرا ہے تو میری دعا سے یہ دوسروں کو سیراب نہیں کرے گا۔ اپنے دل کو نورِ یقین سے اتنا بھرو کہ اس میں گنجائش نہ رہے برکات منقطع نہ ہونے دو پیچھے سے آتی جائیں اور آگے بہتی جائیں۔ خیر القرون سے یہی طریقہ جاری ہے کہ صحابہ کرام نہ تقریریں کرتے تھے نہ تب اخبار ورسائل چھپتے تھے ایسا کچھ بھی نہیں تھا ان کے پاس کیفیات کا سمندر تھا جدھر جاتے تھے دریا بہاتے جاتے لوگ ایمان سے منور ہوتے چلے جاتے اور سینے ایمان ویقین سے لبریز ہو جاتے تھے۔ اب دعا بھی رسم بن گئی ہے کہتے ہیں کہ دعا کرو میں فجر کے لئے اٹھ جاؤں دعا کرو میں نمازی ہو جاؤں، صلوۃ کی ادائیگی اللہ کا حکم ہے نبی ﷺ کا حکم ہے اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات نہیں مانی جائے گی تو میری دعا سے کیا ہوگا؟

کبھی کسی نے مجھے یہ نہیں لکھا کہ دعا کریں میں سویرے اٹھ کر داڑھی صاف کر لوں، ٹائی باندھ لوں کپڑے استری کر لوں یہ سارے کام تو خود بخود ہو جاتے ہیں صلوۃ کے لئے دعائیں منگواتے ہیں۔

بات دعاؤں کی نہیں بات ایمان کی ہے اعتماد کی ہے یقین کی ہے۔ آج کے مسلمان کو یقین ہے کہ وہ کافروں جیسا نظر آئے گا تو معاشرے میں بڑی عزت ہوگی اور وہ ڈرتا ہے کہ محمد الرسول اللہ جیسا نظر آئے گا تو شاید لوگ اسکی عزت نہیں کریں گے۔ بعض صلوۃ کو اس لیے چھپ چھپا کر ادا کرتے ہیں کہ کہیں دقیانوسی نہ سمجھیں جائیں اگر حق اور درست کام ہے تو چھپنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ ہمارا ایمان کیا ہے اور کتنا ہے۔ ہم تو ہر اس شخص کو مسلمان مانتے ہیں جس نے کلمہ پڑھا لیکن بات تو تب بنے گی جب وہ بھی ہمیں مسلمان سمجھے جس نے ہمارا حساب لینا ہے اور وہ تو ہر بات پر خود گواہ ہے ہر حرکت وسکون، ہر سوچ پر اس کا پہرہ ہے ہر شئے کو وہ جانتا ہے لہذا زندگی کو غنیمت جانو اور نورِ ایمان حاصل کرو۔ تمام ذکر اذکار، توجہ اور صحبت، مراقبات، منازل اور مجاہدے صرف اسی ایک کام کے لئے ہیں کہ نورِ ایمان میں اضافہ ہو نورِ یقین پیدا ہو اور کم از کم یقین اتنا محکم ہو جائے کہ ہمارے کردار میں ہمیں اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کی تکمیل ڈال دیں۔

ایمان بنیاد ہے اور اعمال صالحہ ایمان کا مظہر ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم میں جہاں امنوا آیا ہے وہاں عملوا الصلحت ساتھ آیا ہے یعنی ایمان کا معیار ایمان کی پہچان بندے کے کردار سے ہوتی ہے اگر کردار صحیح ہو جائے تو نتائج از خود سامنے آتے ہیں وتواصوا بالحق پھر بندہ سچائی کا ساتھی بن جاتا ہے خود بھی سچ پر قائم ہو جاتا ہے اور دوسروں کو بھی صداقت کا درس دیتا ہے وتواصوا بالصبر اور بندے کا عمل صبر کا مظہر بن جاتا ہے۔

جو لوگ خسارے سے بچ گئے ان کے چار اوصاف اللہ کریم نے بیان فرمائے ہیں۔ امنو وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر، عربی

میں صبر کے معنی ہیں۔ بھاگتے ہوئے گھوڑے کی لگام کھینچ کر روک لینا۔ صبر کا اصل معنی اللہ کی نافرمانی سے رک جانا ہے۔ یعنی ایمان میں وہ قوت ہے جو سوار کے ہاتھ میں ہوتی ہے جب وہ منہ زور گھوڑے کی لگام کھینچ لیتا ہے۔ کہ جہاں اللہ کی نافرمانی ہونے لگے وہاں خود کو روک لے یہ صبر ہے اور حق کو حق سمجھ کر بیان کرنا خواہ کوئی راضی ہے یا ناراض گو یا مخلوق کی رضا مندی کے بجائے اللہ کی رضا مندی اللہ کے حبیب ﷺ کی رضا مندی کی اہمیت ہو جائے تو یہ حق کی وصیت ہے۔

ان چار اوصاف کو دیکھیں جو انسان کو خسارے سے بچاتے ہیں اور آج کا معاشرہ دیکھیں جو خود کو مسلمان کہتا ہے۔ ہم کافروں کی خیرات پر پلنا پسند کرتے ہیں اور ہمارے حکمران بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ فلاں کافر ملک سود پر ہمیں اتنی خیرات دے رہا ہے اور کافروں سے سود پر قرضے حاصل کر لینا کسی بھی حکومت کی کامیابی کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ حکمران وعوام دونوں ہی کافروں جیسا بننا پسند کرتے ہیں بات تک غیر ملکی زبان میں کرنا شان سمجھا جاتا ہے یہ کیسی عجیب بات ہے کہ وہ ہمیں مار بھی رہے ہیں آپس میں لڑا بھی رہے ہیں ہم خود قاتل ہیں اور خود مقتول اور ہم ہی رونے والے بھی ہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ اس کام کے لئے ہمیں باہر سے پیسہ ملتا ہے۔

اللہ ہی ہمیں معاف کرے اور اللہ ہی ہمیں ہدایت دے لیکن یہ کیسے ہوگا؟ اس کا ایک ہی طریقہ ہے ایمان اتنا مضبوط کریں کہ عملی زندگی کی اصلاح ہو جائے۔

یہ کوئی رسم نہیں ہے کہ آپ دارالعرفان آئے اور یہاں آپ رات رہے ذکر کیا، مراقبہ کیا اور جنت آپکی میراث ہوگئی۔ نہیں بھائی یہ سب محنت عملی زندگی کی اصلاح کے لئے ہے۔ ایمان میں جان آجائے۔ جب آپ کا اپنا پیمانہ دل نور یقین سے بھر جائے گا اور اس میں انوارات کی آمد منقطع نہیں ہوگی تو از خود وہ چشمہ بن جائے گا۔ جو بہہ کر دوسروں کو بھی سیراب کرے گا۔ خود دین پر عمل کرو اور دوسروں کو عمل کرنے کی تلقین کرو خود دین کو سمجھو اور دوسروں کو سمجھاؤ۔ ہمارے پاس اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کے دین کے سوا کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ہے ہم خوامخواہ بھٹک رہے ہیں کبھی اس دروازے پر کبھی اس دروازے پر بالآخر ہمیں یہیں آنا ہوگا۔

اللہ کریم ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور ہمیں اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت نصیب کرے۔ ہمارے دلوں کو لذت آشنائی سے آشنا کرے۔ ہم دنیا ہی نہیں آخرت بھی بنا سکیں۔

یاد رکھو امن، عزت آبرو دنیا اور آخرت یہ سب کچھ محمد الرسول اللہ ﷺ کی جوتیوں کے صدقے نصیب ہوگا۔ عہد کر لو کہ حضور ﷺ کے اتباع کا حق ادا کریں گے۔

اللہ کریم مجھے، آپ کو، سب حاضر و غائب مسلمانوں کو توفیق عطا کرے اس ملک کو ہمیشہ قائم رکھے اور اس پر نظام اسلام نافذ کرے اور مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان زندہ رہنے کی توفیق عطا کرے۔

و آخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

..............☆☆☆..............

گھر بیٹھے حضرت شیخ المکرم مدظلہ کے خطاب سنئے

CD;s اور DVD بذریعہ ڈاک منگوائی جاسکتی ہے۔

CD	۲۵ روپے
DVD	۳۰ روپے
آڈیو	۳۰ روپے
ڈاک خرچ	۵۰ روپے

منگوانے کا پتہ۔ مرکزی لائبریری دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

فون 0543-562200

شیخ اور سالک کا رشتہ

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال (02-08-08)

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیم○

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم○

تصوف وسلوک میں شیخ اور سالک کا رشتہ بڑا مضبوط بھی ہے اور نہایت نازک بھی جیسے کانچ کے وہ برتن جو بہت مضبوط ہوتے ہیں جنہیں Unbreakable کہا جاتا ہے وہ اپنی تمام تر مضبوطی کے باوجود جب ٹوٹتے ہیں تو پھر ٹکڑوں سے تقسیم نہیں ہوتے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اسی طرح یہ رشتہ بھی قلب سے قلب کو ہوتا ہے اور بہت مضبوط ہوتا ہے اس کی مضبوطی کی بنیاد للہیت پر ہوتی ہے یہ رشتہ محض اللہ کے لئے اللہ کی رضا پانے کے لئے وہ کیفیات قلبی پانے کے لئے ہوتا ہے جو بندے کے لئے اصلاح احوال کا سبب بنے اور چونکہ کیفیات دل سے موصول کی جاتی ہیں لہذا شیخ کے ساتھ رشتہ قلبی ہوتا ہے دل میں جتنی کھری طلب الٰہی ہو، شیخ کے لئے دل میں جتنا خلوص ہو جتنی محبت ہو سالک کو اتنی ہی برکات نصیب ہوتی ہیں۔ یہ معاملہ ہی دل کا دل سے ہے اور ہر ایک کا اپنا ایک ذاتی تعلق ہے ایک حال ہے اور افراد کے احوال اللہ کریم خود ہی بہتر جانتے ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ کریم فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ (البقرۃ آیت 7) آپ ﷺ کی بعثتِ عالیہ، نزول کتاب، بے پناہ معجزات، برکات، کیفیات اور وجود عالی کے نور اور نگاہ پاک کی کشش ورحمت کے باوجود جو لوگ کفر پر اڑے ہوئے ہیں ان پر آپ ﷺ محنت کریں یا نہ کریں، انہیں آخرت کے بارے میں بتائیں یا نہ بتائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی وجہ بھی ارشاد فرمائی کہ وہ کیوں ایمان نہیں لائیں گے اس لئے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے، ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور انہیں سخت سزا ملے گی۔ علم غیب اللہ کی صفت ہے غیب کو جاننا اللہ تعالیٰ کی ذاتی خصوصیت ہے۔ اللہ کریم انبیاء علیہ السلام کو ضرورت کے مطابق مطلع فرماتے ہیں انبیاء کو جب اطلاع من جانب اللہ دی جاتی اسے اطلاع عن الغیب کہتے ہیں۔ سب سے بڑا غیب تو اللہ کی ذات ہے اس کی صفات ہیں فرشتے جنت و دوزخ آخرت سب غیب کی باتیں ہیں جو اللہ اپنے بزرگوں کو بتاتا ہے تاکہ انسان کامیابی کی راہ پالیں۔ جس قدر علوم ذات باری سے مخلوق میں تقسیم فرمائے گئے وہ سارے بھی جمع کر لئے جائیں تو جو علوم نبی کریم ﷺ کے عطا ہوئے اس کا وہ تمام علوم عشر عشیر بھی نہیں بنتا آپ ﷺ کے علوم سے انبیاء ورسل نے بھی استفادہ کیا اور پوری کائنات نے بھی اس کے باوجود اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ بندے اور اللہ کا ایک ایسا ذاتی تعلق ہے جسے وہ اپنی ذات تک رکھتا ہے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی انبیاء ورسل کو بھی نہیں ہوتی جب تک وہ ذات باری خود نہ بتلا دے تب تک کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ سورۃ بقرہ کی ان آیات مبارکہ میں بھی اللہ کریم نے نبی پاک ﷺ کو اطلاع دی کہ آپ ان لوگوں پر محنت نہ کریں اس لئے کہ میرے اور ان کے مابین جو بات ہے وہ بگڑ چکی ہے وہ خاص قسم کے لوگ تھے جن کے بارے حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی تو اگر اللہ کریم بتا رہے ہیں تو اس کا

معنی یہ ہے کہ اللہ کے بتانے کی ضرورت تھی کہ بغیر اللہ کے بتائے انبیاء کو بھی پتہ نہیں چل سکتا۔ نبی کریم ﷺ اولین و آخرین میں وہ ہستی ہیں کہ جنہیں سب سے زیادہ علوم عطا ہوئے اور جب انہیں بھی اللہ کریم کے بتانے سے خبر ہوئی تو پھر شیخ اور پیر کی کیا حیثیت ہے اسے کیا خبر کہ جس بندے پر وہ محنت کر رہا ہے اس کا تعلق اللہ سے کیسا ہے؟ شیخ اور پیر تو بارگاہ نبوت کا ادنیٰ خادم ہوتا ہے وہ کیسے اللہ اور اللہ کے بندوں کے تعلق کو جان سکتا ہے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ کریم نے نبی کریم ﷺ کو بے مثل، بے مثال بنایا ہے اور ان کی شان کے مطابق انہیں علم عطا فرمایا تا کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ سے آشنا کروا سکیں اور انہیں آنے والے وقت کے خطرات سے باخبر کر سکیں ان کا سد باب کرنے کی دنیا ہی میں تدابیر کر سکیں اور شیخ اور پیر برکات نبوت ﷺ کے امانتدار بن کر بارگارہ نبوت ﷺ کے خادم بن کر اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کے بندوں کو یقین و ایمان کی وہ کیفیات عطا کرتے ہیں جو سینہ اطہر رسول ﷺ سے سینہ بہ سینہ پھیلتی ہیں اور بندوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ اصلاح احوال کے لئے بندوں کے بارے اللہ کریم خود جب چاہے اور جتنا چاہئے اپنے نبی ﷺ پر منکشف کر دے یا کسی ولی کو اس کے حال سے جب چاہے اور جتنا چاہے باخبر کر دے۔

بغیر تعلق باللہ کی طلب کے مجاہدہ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا شیطان نے بھی مجاہدہ کیا تھا۔ وہ جن تھا اور جب زمین پر جنات آباد تھے تو اس نے اتنی محنت کی، اتنی عبادت کی، اتنا مجاہدہ کیا کہ جن ہو کر فرشتوں کے گروہ میں شامل ہو گیا اس کے مجاہدے سے اسے ترقی ملتی رہی پھر وہ وقت آیا جب حاصل عبادت کا نتیجہ سامنے آنا تھا یعنی جب اللہ کی فرمانبرداری کرنے کا وقت آیا اسے سجدے کا حکم ہوا تو اس نے تکبر کیا اور سجدے سے انکار کر دیا اور اللہ کریم نے اسے راندہ درگاہ قرار دے دیا۔

شاعر نے اس کے اسی تکبر کے بارے کہا تھا

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے
ہزاروں بار گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ یوں آیا ہے اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ (البقرۃ آیت 32) اور اس کا ترجمہ یوں لکھا جاتا ہے کہ وہ کافروں سے ہو گیا۔ حالانکہ لفظ ''کان'' ماضی کے صیغے پر آتا ہے اور اس کا ترجمہ بنتا ہے ''تھا ہی کافروں میں سے'' اس کے بارے اللہ کریم جانتے تھے کہ اس میں یکدم خبث پیدا نہیں ہوا بلکہ جب سے یہ عبادتیں کر رہا تھا تب سے اس کے دل میں یہ بات بھی تھی کہ وہ اب بڑا اور بزرگ بنتا جا رہا ہے لیکن اس کا پول اس واقعے سے کھل گیا لیکن جس طرح کسی بھی شخص کو اس لئے پھانسی نہیں دیجاتی کہ آنے والے زمانے میں وہ قاتل ہوگا بلکہ جب تک وہ شخص قتل نہیں کر لیتا اور اس پر قتل ثابت نہیں ہو جاتا تب تک اسے کوئی سزا نہیں دیجاتی ایسے ہی اللہ کریم جو عالم الغیب ہیں محض علم الٰہی پر کسی کو سزا نہیں دیتے۔ جیسے ابلیس کی عبادات پر نتائج مرتب ہوتے رہے اور وہ ترقی کرتا رہا لیکن اس کے دل کی تہہ میں خبث باطن دبا رہا اور اس کا خبث ظاہر کیا گیا تو اس کے اثرات بھی مرتب ہو گئے۔ شاید شروع میں ظاہر ہو جاتا تو اتنی شدید سزا نہ ہوتی انکار کی نوبت نہ آتی لیکن وہ دل ہی دل میں اپنی بڑائی اور عظمت پر پختہ ہوتا رہا۔ عبادت اللہ کی کرتا رہا اور دل میں اپنی بڑائی کو پالتا رہا جوں جوں ترقی درجات ہوتی گئی وہ آسمان پر جا پہنچا اور اس بات پر پختہ تر ہو گیا کہ وہ بہت عظیم ہستی ہے۔

اسی طرح بارگاہ رسالت پناہی میں لوگ آئے اور مرتد ہو گئے۔ بدنصیب لوگوں کی فہرست ملتی ہے۔ منافقین کا ذکر جگہ جگہ ملتا ہے کہ ان لوگوں نے عہد رسالت بھی پایا اور بدنصیب ہی رہے تو اس میں قصور کس کا ہے ان کے دل کے نہاں خانے میں اپنی کوئی غرض پوشیدہ تھی، عبادت میں خلوص نہیں تھا، نبی کریم ﷺ کے ساتھ خلوص نہیں تھا اور نہ ہی اللہ کریم کے ساتھ خلوص تھا دل کے اندر اپنی بزرگی اپنی بڑائی کا خیال یا کوئی اور مفاد چھپا ہوا تھا۔ جیسے جیسے سامنے آتا گیا ویسے

ویسے سزا بھی بڑھتی گئی تصوف وسلوک میں بھی خلوص نہ ہوتو بندہ بچ نہیں پاتا۔ہم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو ہم سے پہلے آئے تھے لیکن اپنی بڑائی کا زہر پی کر برے حال مرے۔اس کی وجہ یہی ہوتی ہے اور یہ کسی سزا یا اچانک غلطی پر مرتب نہیں ہوتی غلطیاں تو انسان سے ہی ہوتی ہیں۔بندہ توبہ کرتا ہے اللہ سے رجوع کرتا ہے اور غلطی ہو جانے سے یا کوتاہی ہو جانے سے اس طرح کا نقصان نہیں ہوتا جتنا نقصان ان چیزوں کو دل میں پالنے سے ہوتا ہے۔یہ شیطان کا طریقہ ہے اس طرح لوگوں نے سلسلے میں محنت کی پندرہ پندرہ سال شیخ کی خدمت میں رہے اور پھر نامراد ہو کر چلے گئے پھر نہ دین رہا نہ دنیا رہی نہ یہ عالم رہا نہ آخرت رہی۔

ان مثالوں کے باوجود کوئی شخص دوسرے کا جج نہیں بن سکتا یہ نہ میرے لئے روا ہے کہ میں کہوں کہ آپکے اندر یہ ہے یا آپ مجھے ایسا کہیں۔یہ معاملہ صرف اللہ کے ساتھ ہے اور ہر دل کو اللہ خود ہی بہتر جانتا ہے۔وہ ہر بندے کی کیفیات قلبی کو ذاتی طور پر جانتا ہے۔وہ خود ہی کسی پر منکشف فرمادے تو اسکی مرضی البتہ کشف کے بارے یہ جاننا ضروری ہے کہ نبی علیہ السلام کا کشف حتمی ہوتا ہے اور ولی کا کشف نبی علیہ السلام کے کشف کے مطابق ہو تو وہ بھی یقینی ہوتا ہے۔سالک کو کیفیات شیخ کے قلب سے لطیفہ قلب سے لطیفہ ربانی سے لینا ہوتی ہیں تو دل ہی دل کو دے سکتا ہے اور دل ہی دل سے لے سکتا ہے دل سے دلوں کو راہ ہوتی ہے۔ہوشیاری و چرب زبانی سے خلوص کی دولت نہیں پائی جاسکتی۔

حضور ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بارگارہ نبوی علیہ الصلوۃ والسلام میں حاضر ہونے والے دو افراد میں سے ایک اپنی بات اچھی طرح واضح کرنے کی ضرورت نہ رکھتا ہو اور دوسرا چرب زبان ہو اور وہ اپنی چرب زبانی کی بدولت آپ ﷺ سے اپنے حق میں فیصلہ لے لے جبکہ اس چیز کا درحقیقت وہ مستحق نہ ہو۔لیکن آخرت میں اس بات کا مواخذہ انتہائی سخت ہوگا۔ایک ناحق لینے کی سزا ہوگی دوسرا اللہ کے نبی علیہ السلام کو دھوکہ دینے کے باعث ایک علیحدہ جرم بنے گا لہذا یہ ضروری نہیں کہ کوئی بہت خوبصورت باتیں کر کے کچھ حاصل کر لے اس لئے کہ یہاں دل سے دل ہی حاصل کرتا ہے۔دلوں میں خلوص اللہ کی عطا سے آتا ہے اور صرف اللہ ہی ہر آن ہر بندے کے دل کے اندر تک سے واقف ہے۔لہذا سالک کا طالب حقیقی ہونا قلب کو پاکیزہ کرنا اور ہمیشہ شیخ کے ساتھ خلوص کا رشتہ رکھنا ہی اسے قرب الٰہی عطا کرسکتا ہے۔

کچھ دوستوں کا خیال ہوتا ہے کہ میں ان سے ناراض ہوں وہ مجھے خط اور ای میل کر کے یہی بات پوچھتے رہتے ہیں۔ایک بات یاد رکھ لیجئے میں کبھی کسی سے ناراض نہیں ہوتا اس لئے کہ ناراضگی کا مطلب ہے کسی کے لئے دل میں کدورت کا آجانا۔جس طرح ایک استاد جماعت کو پڑھاتے ہوئے کسی کو کھڑا کر دیتا ہے کسی کو بٹھا دیتا ہے کسی کو کہتا ہے دس مرتبہ لکھو تو کیا یہ سب اس کی ناراضگی کے سبب ہوتا ہے؟ یہ ناراضگی نہیں اسکی ذمہ داری ہے کہ جہاں جہاں ضروری سمجھے اصلاح کرے کہیں ڈانٹ کر کہیں جھڑک کر کہیں پیار سے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ استاد کی فلاں بچے سے دشمنی ہوگئی ہے۔جب ہم پرائمری میں پڑھتے تھے تو ہمارے اساتذہ پڑھائی میں بہت سختی کرتے تھے اور ہمیں اس وقت اچھا نہیں لگتا تھا خصوصاً حساب کے استاد تو اتنی سختی کرتے کہ ہم ناسمجھ بچے ان کے لئے دعا کرتے تھے کہ انہیں بخار کیوں نہیں ہو جاتا کہ یہ گھر بیٹھیں اور ہماری سختی کم ہو۔اب ہمیں ان کی قدر آتی ہے اور سمجھ آتی ہے کہ وہ ہم سے کتنی محبت کرتے تھے،۔ایک ایک کو سمجھاتے کام چیک کرتے نگرانی کرتے کہ کس نے کتنا سمجھا؟ کیا سمجھا؟ ان کی اس محنت شاقہ کے ساتھ کی گئی سختی کے لئے آج ہمارے دل سے دعا نکلتی ہے۔

سمجھانا اور سکھانا بھی ایک کام ہے اور شیخ بھی ایک عام انسان ہوتا ہے

آپ لوگ آتے ہیں چند دن کے لئے شیخ سارا سال یہ کام کرتا ہے آپ لوگ چند دن رہ کر جاتے ہیں تو گھر جا کر آرام کرتے ہیں اور یہاں جو لوگ چالیس دن کھلانے پلانے، تعلیمی کورسز کروانے اور انتظام میں مصروف رہتے ہیں وہ بھی تو انسان ہیں کیا وہ نہیں تھکتے ؟اسی طرح جس شیخ کی ذمہ داری چالیس روز آپ کو توجہ دینا ہے وہ یہ کام مسلسل انتھک محنت سے کرتا جا رہا ہے آپ لوگ تو دو چار دن کر کے تھک جاتے ہیں اور شیخ سارا سال یہ کام دن رات کرتا ہے آخر وہ بھی تو انسان ہے تو جب اس نظر سے دیکھا جائے تو پھر اندازہ ہوتا ہے کہ کون کس کے لئے کتنی محنت کرتا ہے پھر یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ یہ محنت ان لوگوں کے لئے تو کوئی نہیں کرتا جنہیں اچھا نہ سمجھتا ہو اور شیخ محنت کر کے کسی پر احسان نہیں کرتا جو بھی اللہ کی طلب میں آتا ہے اس سے اللہ کے لئے محبت بھی ہو جاتی ہے وہ اچھا لگنے لگتا ہے، پیارا لگنے لگتا ہے اور شیخ کے دل میں طالب کے لیے محبت نہ ہو تو طالب کو کچھ حاصل بھی نہیں ہو سکتا کہ محبت ہی وہ جذبہ ہے جو قلبی کیفیات کو دوسرے کے قلب تک پہنچاتا ہے لہذا مخصوص حالات میں شیخ کو جھڑکنا پڑتا ہے ڈانٹ ڈپٹ ناراضگی نہیں ہوتی بلکہ میرے خیال میں بندہ مخلص ہو اور ایک ڈانٹ پڑ جائے تو زندگی بھر کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔

مولانا تھانویؒ کے ایک خادم تھے انہیں ناشتہ کروایا کرتے تھے ایک دن ناشتے کے وقت حضرت کو کوئی بات پسند نہ آئی اور انہوں نے چائے کی پیالی اس خادم پر پھینک دی اس واقعے کے بارے خادم کا قول ہے کہ میں برسوں شیخ کی خدمت میں رہا اور برسوں مجھے یہ حسرت رہی کہ کاش پھر کبھی میرے اوپر اسی طرح پیالی پھینکی جائے کہ ان کے اس عمل سے جو کیفیات مجھے نصیب ہوئیں وہ برسوں کی محنت سے حاصل نہ ہو سکیں لیکن ایسا پھر کبھی نہ ہوا تو یہ معاملات بڑے نازک اور حساس ہوتے ہیں انہیں اسی نزاکت سے طے کرنا چاہیے۔ جس کہ ذمہ داری بحثیت شیخ لگ جاتی ہے اس کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں اسکی ڈانٹ ڈپٹ سے ہرگز یہ مراد نہیں ہوتی کہ لوگ بھاگ جائیں۔ کیا آپ نے کبھی دیکھا کہ یہاں کسی کو چیک کیا جاتا ہے؟ یہاں ذکر سکھانے سے پہلے کسی کا پس منظر یوں معلوم کیا جاتا ہے؟ کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ شخص پہلے کیا تھا چور تھا، بدکار یا شرابی تھا اسے صرف اللہ کا بندہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے احوال اللہ اور بندے کے مابین بات ہے ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس بات کو غنیمت سمجھیں کہ اگر اللہ اسے یہاں تک لے آیا ہے تو اللہ کرے وہ یہاں سے اللہ کی رحمت لے کر جائے اور آئندہ کے لئے سدھر جائے۔

اگر کوئی شیخ واقعی شیخ ہو تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کسی نے لاکھوں روپے دے دیئے ہیں اور کسی نے جاتے ہوئے کرایہ بھی مانگ لیا ہے۔ نہ میں یہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں کہ کس ساتھی نے دارالعرفان میں کتنا دیا یہ میرا مسئلہ ہی نہیں ہے یہ ادارہ اللہ کے لئے ہے اس میں اللہ کے لئے کام ہو رہا ہے جو یہاں خرچ کرتا ہے وہ اجر کی امید بھی اللہ سے رکھے۔

مسجد کا باہر کا جو برآمدہ بن رہا ہے وہ ایک ساتھی نے بنوا دیا مجھ سے اجازت لی اندازہ لگوایا کہنے لگا میں رقم دیتا ہوں آپ بنوالیں میں نے کہا خود ہی بنوالیں۔ اگر وہ مجھ سے اجازت نہ لیتا تو مجھے پتہ نہ چلتا کہ اس نے ادارے کو کتنی رقم دی ہے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ اللہ کا احسان ہے میں اپنے لئے اب بھی محنت کر کے روزی کما لیتا ہوں اللہ کریم روزی دے دیتے ہیں اور میری ضروریات سے بڑھ کر ہی دیتے ہیں لہذا مجھے کیا فرق پڑتا ہے کہ کس نے ادارے کیلئے کتنے دیئے یا یہ سوچا جائے کہ فلاں کے لئے الگ سے مرغ پلاؤ بناؤ کہ اس نے اتنی رقم دی ہے اور اس کے لئے دال پکاؤ کہ اس نے کچھ نہیں دیا۔ یہاں سب کے لئے لنگر ہے۔ اور توجہ بھی سب کو ایک جیسی دیجاتی ہے برکات بھی سب کے لئے ہیں لہذا جو ادارے پر خرچ کرتے ہیں انہیں

بھی چاہئے کہ اسے اپنے اور اللہ کے مابین رہنے دیں اشتہار نہ بناتے پھریں۔ادارے کو میں نے البتہ پابند کر رکھا ہے کہ سالانہ آڈٹ ہوتا ہے کہ لوگوں کی رقم ہمارے لئے امانت ہے اس کا حساب رکھا جائے کہ یہ ادارے نے کس کس کام پر خرچ کی ہے۔

شیخ سے رشتہ اللہ کے لئے ہے اللہ کے نام کے لئے ہے یہاں دنیا داری کی باتیں نہ لائی جائیں کہ شیخ فلاں بات سے خفا ہو گئے۔شیخ سے رشتہ ناراضگی اور خفگی کا نہیں ہوتا اس سے رشتہ محبت کا ہوتا ہے محبت میں ناراضگی نہیں ہوتی ڈانٹ ڈپٹ ہو سکتی ہے اگر شیخ جھڑک بھی دیتا ہے تو سالک کی ہمدردی اور اس کی بھلائی کے لئے اس سے محبت کی وجہ سے ڈانٹتا ہے اس میں اسی کا فائدہ ہوتا ہے۔

مجھے روزانہ کتنے خط آتے ہیں۔ میں ہر خط کا جواب نہیں دیتا کوئی جواب طلب بات ہو تو خط کا جواب دیتا ہوں لیکن ساتھی خط کا جواب نہ پا کر اسے خفگی پر محمول کرتے ہیں۔کسی ساتھی کا خط یہ ہوتا ہے کہ آپ میرے لئے دعا کر دیں اور واپسی کا لفافہ بھی بھیج دیتا ہے۔تو وہ کیا سمجھتا ہے کہ میں نے دعا اس میں بند کر کے بھیجنی ہے۔جب آپ نے دعا کے لئے لکھا اللہ کا شکر ہے آپ نے اللہ سے مدد چاہی۔میں نے پڑھا تو دعا از خود ہو گئی کہ اللہ کریم اپنے اس بندے کی مصیبت دور فرما دیجئے تو پھر کیا میں آپ کو رسید بھیجوں کہ میں نے آپ کے لئے دعا کی اپنے خطوں کے جواب نہیں دیے جاتے لیکن اس سے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ خود یہ احساس کرنا چاہئے کہ جواب طلب بات کے لئے ہی جوابی لفافہ ارسال کیا جائے۔ ہاں جواب طلب بات کا میں جواب ضرور دیتا ہوں خواہ وہ ایک سطر ہو دس سطروں میں جواب مکمل ہو یا پورا صفحہ لکھنا پڑے۔لیکن آپ کو بھی سوچنا چاہیے کہ خط ضرور لکھیں لیکن صاف مختصر اور صرف جواب طلب باتوں کے لئے لفافہ ارسال کریں۔اور یہ چھوٹی چھوٹی باتیں سوچنا چھوڑ دیں کہ میرے خط کا جواب نہیں آیا ناراضگی ہو گئی ہوگی۔میرے پاس ان چیزوں کے لئے وقت ہی نہیں ہے۔شیخ کے پاس اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ گپ شپ کے لئے جواب لکھتا رہے یہاں تو گنتی کے لمحات ہوتے ہیں مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر جو فارغ بیٹھے رہتے ہیں جن کے پاس کرنے کو کچھ نہیں ہوتا حیران ہوتا ہوں کہ یہ کیوں اللہ کے دیے ہوئے وقت کو ضائع کر رہے ہیں؟

الحمد اللہ ہمیں تو برسوں بیت گئے کام کرتے ہوئے چھٹی کا ہمارے ہاں کوئی تصور ہی نہیں روٹین ورک ہے کام تو کرنے ہی ہیں اور سب ہی کام کرنے ہیں جب ہم کھانے کا ناغہ نہیں کرتے سونے کا ناغہ نہیں کرتے تو پھر کام چھوڑ کر چھٹی کا کیا تصور ہے۔زندگی کا وقت ایسے گزر جاتا ہے بڑھاپا انسان کو بہت محدود کر دیتا ہے درمیانی عرصہ بچتا ہے اس میں سے بھی آدھا وقت نیند کی نذر ہو جاتا ہے پھر کام کا وقت بھی چھٹیوں میں ضائع کر دیا جائے تو بچے گا کیا ؟لہٰذا وقت کو درست طریقے سے استعمال کیجئے۔کام عبادت ،تفریح ،آرام ،ادائیگی حقوق سب کو وقت دیجئے کسی بھی شعبے میں وقت ضائع نہ کیجئے۔

آپ کا شیخ بھی انسان ہے کبھی شاید مجھ سے بھی کہیں زیادتی ہو جاتی ہے لیکن ڈانٹ ڈپٹ ناراضگی کا باعث نہیں ہوتی۔دلی طور پر شیخ کے لئے ایک ایک طالب محبوب کا درجہ رکھتا ہے ایک ایک سے محبت کرتا ہے ہر ایک کی بھلائی چاہتا ہے اور ہر ایک کے لئے خواہاں رہتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرے تو حاصل کرنے والے کو بھی اپنے دل کی نگرانی کرنی چاہئے کہ اس کے دل میں شیخ کے لئے کتنی طلب سے کتنا خلوص ہے اور وہ شیخ سے کتنی محبت کرتا ہے اس لئے کہ دل ہی دل سے حاصل کرتا ہے۔

واخر دعونا ان الحمد اللہ رب العلمین

صحبت شیخ

صحبت شیخ کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت شیخ کے ساتھ گزارے اور اگر آدمی اکثر پاس نہ بیٹھ سکے۔ پاس بیٹھنے کے لئے ضروری نہیں کہ آپ لگ کر بیٹھیں۔ جیسے آپ یہاں موجود ہیں تو یہ صحبت شیخ ہی تو ہے، صبح وشام ذکر نصیب ہو جائے تو یہ بھی صحبت شیخ ہے، ملاقات ہو جائے یہ بھی صحبت شیخ ہے اس کا اثر اگر آدمی سال بھر الگ بیٹھ کر ذکر کرتا رہے تو روح میں استعداد تو پیدا ہو جاتی ہے ترقی نہیں ہوتی۔ جب شیخ کے پاس بیٹھتا ہے تو جتنی استعداد ہوتی ہے آن واحد میں اتنی ترقی نصیب ہو جاتی ہے کیونکہ طالب کے دل کو شیخ کے دل سے اخذ کرنی ہوتی ہے اور یہ تمام سلاسل میں ہوتا ہے۔ اس سلسلہ عالیہ میں ایک سٹیج ایسی ہوتی ہے کہ اس پر پہنچ کر آدمی دنیا میں کہیں بھی ہو وہ صحبت شیخ میں رہنے کے برابر ہے جس سے اس کے منازل چلتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے منازل میں جو قوت ملاقات سے نصیب ہوتی ہے دور رہ کر نہیں ہوتی۔ ماخوذ از "کنز الطالبین"

تعاون

اسلم ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچررز آف پی سی یارن

پل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد فون 2-041-2667571

حقیقت خرافات میں کھو گئی

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال (06-03-2009)

اعوذ باﷲ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلا رَحْمَۃً للعلٰمین (الانبیاء آیت 107)

دنوں، مہینوں اور سالوں کی گردش ایک دفعہ پھر سال کو اس موڑ پر لے آئی ہے کہ ربیع الاول کا ماہِ مبارک گزر رہا ہے یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ وجود باجود کیساتھ عالم انسانیت میں جلوہ افروز ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات عالی تو ابتدائے تخلیق کائنات سے ہی اللہ کی رحمت کو کائنات بھر میں پہنچانے کا سبب بنائی گئی ہے۔ ولادت شریفہ سے پہلے یہ کام بالواسطہ ہوا اور ولادت شریفہ پر پوری کائنات رحمت عامہ سے بہرہ ور ہوئی لیکن بعثتِ عالی کے ساتھ اللہ کی رحمتِ خاص یعنی معرفتِ الٰہی کا در کھول دیا گیا۔ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دوری کے باعث قیمتی حقائق پس پردہ چلے گئے اور حکایات وروایات کا دور دورہ ہو گیا۔ امت رسومات ورواجات کا شکار ہوگئی جس کے بارے شاعر نے کہا:

حقیقت خرافات میں کھو گئی

یہ امت رسومات میں کھو گئی

انہی رسومات کی اہمیت کے باعث ہم سے رحمت الٰہی کا دامن چھٹتا چلا جا رہا ہے اور ہم رواجات میں زیادہ سے زیادہ الجھتے جا رہے ہیں۔ رواجات میں جدتیں پیدا ہو رہی ہیں جو آپس کے اختلافات پیدا کر رہی ہیں اور ہر طرح کے نقصانات بڑھتے جا رہے ہیں جبکہ رب کریم نے اپنی رحمت کو تمام عالمین میں پھیلانے کے لئے اپنے نبی ﷺ کو دنیا میں بھیجا ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تمام جہانوں کی تفصیل سمجھنے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ذات باری کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب تمام جہانوں تمام عالمین میں شامل ہے یعنی تمام اولین وآخرین افراد انسانیت، جن، فرشتے، حیوان، چرند پرند، زمین وفضاء، ستارے وسیارے، آسمان، زمین، آسمانی مخلوقات، عرش عظیم اور تمام تخلیقات باری کے لئے حضور ﷺ رحمت الٰہی ہیں۔ لیکن رحم الٰہی کے دو حصے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہم کس پہلو سے متعلق ہیں۔ پہلے شعبہ کا تعلق موجودات سے ہے یعنی عالم وجود میں آنا، دنیا میں زندہ رہنا اور مادی فوائد حاصل کرنا دوسروں کے لئے مفید بننا اللہ کی رحمت کے اس حصے کا ظہور صرف عالم انسانیت میں نہیں ہر تخلیق میں نظر آتا ہے۔ ہر ایک کو اللہ کریم نے مختلف وجود اور مختلف اوصاف عطا کئے ہیں ہر ذرے کی اپنی خصوصیت اپنا دائرہ کار اور اپنا وجود ہے۔ کوئی غذا بنتا ہے کوئی دوا کسی سے ایک کام لیا جاتا ہے کسی سے دوسرا اور یہ نظام کائنات میں جاری وساری ہے اللہ کریم ہر پھول سے ہر پتی سے ہر شاخ سے ہر پتے سے شجر وحجر سے زمین وآسمانی مخلوق سے اسکی صفت وخصوصیت کے مطابق کام لیتے ہیں۔ سورج حرارت بہم پہنچاتا ہے روشنی بکھیرتا ہے جس سے زرہ زرہ روشن ہو جاتا ہے۔ جہاں یہ ایک دنیا کو روشن کرتا ہے وہاں اسی دنیا کو چاند کی چاندنی پہنچانے کا بھی سبب بنتا ہے۔ چاند کی چاندنی اور ستاروں کی گردش دنیا پر اپنے اثرات مرتب کرتی ہے۔ آسمانوں پر نوری مخلوق ہے اللہ کے فرمانبردار فرشتے ہیں دنیا پر اللہ کے نیک بندے ہیں غرض کائنات کی بے شمار

نعمتیں ہیں ۔ یہ سب کیا ہے؟ اللہ کی رحمت ہے ۔ اور رحمت الٰہی کو مخلوق تک پہنچانے کا واحد سبب محمد الرسول ﷺ کی ذات بابرکت ہے ۔

یہ وہ رحمت عامہ ہے جو پوری کائنات کو بلا تفریق مذہب وملت ، بلا تفریق رنگ وروپ بلا تفریق قد و کاٹھ اور بلا تفریق عقل وخرد تقسیم ہو رہی ہے ۔ ہر قسم کی مخلوق کا وجود اور اس کا قائم رہنا رحمت الٰہی کا محتاج ہے اور رحمت عامہ کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے رب العالمین اور بندوں کے درمیان محمد رسول اللہ ﷺ واحد واسطہ ہیں ۔ اللہ کی رحمت کا تعلق آپ ﷺ کی ولادتِ باسعادت سے ہے ولادت باسعادت کے ساتھ کائنات بھر کوان گنت فوائد حاصل ہوئے اور بے شمار عذابوں سے پناہ حاصل ہوئی ۔ حضور ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے بعد اقوام پر آنے والے اجتماعی عذاب ختم کر دیئے گئے ۔ آپ ﷺ کے دنیا میں جلوہ افروز ہونے سے پہلے لوگوں کی شکلیں مسخ ہو جاتی تھیں ، گناہ کے باعث بندر اور خنزیر بن کر ہلاک ہو جاتے تھے ۔ ان سے انسانی نسل نہیں چلا کرتی تھی ۔ قرآن حکیم کے مطابق تمام جانور الگ سے اللہ کی مخلوق ہیں کسی مسخ شدہ انسان کی نسل ہی نہیں چلائی گئی ۔ اسکے علاوہ اقوام پر پتھر برسنے کا عذاب آیا ، آگ برسی ، ہوا کے طوفانوں سے اقوام تباہ ہوئیں ، زمین الٹ دی گئی قوموں کی قومیں پانی میں غرق ہوئیں ۔ یہ سارے عذاب حضور ﷺ کی ولادت بابرکت کے ساتھ ہٹا دیئے گئے آئندہ کے لئے ختم کر دیئے گئے اور یہ فوائد کفار کو بھی حاصل ہوئے ۔ اس کے علاوہ بے شمار مادی فوائد لوگوں کو حاصل ہوئے جیسا کہ مشہور واقعہ ہے کہ حلیمہ سعدیہؓ کی سانڈھنی سب سے کمزور لاغر تھی جب مکہ میں داخل ہوئی اور جب حضور ﷺ کو اپنی آغوش میں لیکر بی بی حلیمہ واپس گئیں تو وہی سانڈھنی برق رفتار ہوگئی جانوروں کو برکت حاصل ہوئی دودھ کی فراوانی ہوگئی افزائش نسل ہوئی اور دیگر مادی فوائد حلیمہ سعدیہؓ کے کنبے کو حاصل ہوئے لیکن غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ یہ تمام مادی فوائد ، مادی حیات کی تمام لذتیں ، عذابوں سے پناہ ، مادی آرام یہ سب کچھ تو کافروں کو بھی میسر آیا ۔ حضور ﷺ ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے لہذا احکام وفرامین کا زمانہ نہیں آیا تھا کہ لوگوں کا رشتہ تمام مخلوقات کا آپ ﷺ کی رحمت عامہ سے رشتہ تھا جس میں کافر و مومن کی تخصیص نہیں تھی تو ولادت باسعادت کی خوشی تو ساری کائنات کو منانی چاہئے کہ اس شعبہ رحمت سے تو ہر کسی کو فائدہ ہوا ۔

رحمت الہیہ کا دوسرا شعبہ حضور ﷺ کی رحمتہ للعلمین کا وہ شعبہ ہے جس نے انسان کو معرفتِ الٰہی سے آشنا کیا تخلیق آدم کا مقصد پورا ہوا اور انسان اپنی منزل کو پہنچا ۔ مشتِ غبار کو وہ معرفت الٰہی نصیب ہوئی کہ "کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے" بندوں کو پیدا کرنے کا مقصد ہی یہ تھا ۔ حدیث قدسی میں آتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں ۔

کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرف فَخلقتُ الخَلقَ کہ میری ذات ایک پوشیدہ خزانے کی طرح تھی اور مخلوق میں کسی کو یہ جرات نہیں تھی کہ وہ سوال کرے کہ اللہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ کوئی نہیں جانتا تھا نہ کسی میں یہ استعداد تھی حالانکہ اللہ کے اطاعت گزار فرشتے بھی تھے زمین وآسمان اور ان میں موجود مخلوقات بھی تھیں ۔ مجھے یہ بات پسند آئی کہ کوئی میرا جاننے والا بھی ہو ، کوئی ایسا بھی ہو ، جو مجھے پہچان سکے ، جو میری صفات کو پہچانے میری ذات کو جانے مجھ پر فدا ہو جائے ، خود کو میرے لئے قربانی کر دے میری خاطر تڑپے ، میری خاطر بیدار ہو ، میری یاد اسکی نیندیں اڑا دے ، وہ میرے لئے بے قرار ہو تو میں نے عالم انسانیت کو پیدا کر دیا ۔

انسان کا وجود تو عناصر اربعہ سے بنا ۔ آگ ، مٹی ، ہوا ، اور پانی کے ملنے سے نفس بنا ، لیکن چونکہ اس وجود کو مالک الملک نے اپنی معرفت کے لئے بنایا تھا تو اس میں اس نے جو روح پھونکی وہ عالم امر سے ہے اور روح کے بارے انسان کو جو علم دیا گیا ہے وہ محدود ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً (بنی اسرائیل آیت 85) آپ ﷺ سے اس بارے میں سوال کرتے ہیں کہ روح کیا؟ فرما دیجئے کہ روح عالم امر سے ہے اور انسانی علم اس سے آگے جاننے کا متحمل نہیں ہوسکتا کہ روح کی عالم امر سے تخلیق کیسے ہوئی؟ وہ کس طرح بنی؟ وجود انسانی سے اس کا رشتہ کیسے بنا؟ ان تفصیلات کے بارے انسان کو کما حقہ آگاہ نہیں کیا گیا اس کا علم بہت کم دیا گیا ہے، جتنا دیا گیا ہے اس کے مطابق چونکہ روح کو اسی بدن میں قیام کرنا تھا تو عالم امر سے پانچ وظائف وجود میں سمو دیئے گئے، قلب، روح، سری، خفی اور اخفیٰ، انہیں لطیفہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بہت نازک، بہت لطیف، مقامات ہیں۔

انسان جب روئے زمین پر آیا تو شیطان بھی راندہ درگاہ ہو کر زمین پر پہنچ چکا تھا، اب شیطان کی بازی یہ تھی کہ وہ انسان کو اس طرح الجھائے کہ وہ لطائف کی طرف متوجہ نہ ہو محض ظاہری وجود کو پالنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہوا زندگی گزارے۔ اگر اس میں اطاعت الٰہی کا جذبہ کمزور سے کمزور ہوتا جائے اور بالآخر لطائف مردہ ہو جائیں تو اس سے انسانی خصوصیت یعنی انسان کا وہ کمال کہ اس میں طلب الٰہی ہو وہ ختم ہو جائے گا پھر دوسرے جانوروں کی طرح یہ بھی ایک جانور کی سطح پر زندگی گزارے گا جو کھائے پیئے گا اولاد ہوگی گھر بنائے گا اور مر جائے گا۔ اکبرالٰہ آبادی مرحوم نے کہا تھا۔

کیا کہیں احباب کیا کارہائے نمایاں کر گئے
بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مر گئے

یعنی انسانی زندگی جب ان لطائف ربانی کی طرف سے غافل ہو جائے گی تو لذاتِ شہوانی میں پڑ جائے گی اور ایک جانور کی طرح زندگی گزار کر دنیا سے چلی جائے گی۔ اور دوزخ کا ایندھن بنے گی۔ ابلیس نے پہلا وار سیدنا آدمؑ کے بیٹے پر کیا جس نے شادی کی خاطر ایک لڑکی کے لئے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اللہ نے ابلیس کے وار سے بچنے کے لئے اور اللہ کی حفاظت حاصل کرنے کے لئے غلطی کی اصلاح کے لئے بہترین انتظام فرما دیا وہ یہ کہ دنیا پر قدم رکھنے والے پہلے انسان کو نبوت عطا کر دی اور آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام جب دنیا میں جلوہ افروز ہوئے تو بحیثیت نبی علیہ السلام نازل ہوئے اور ان کے بعد ہمیشہ زمین کو نور نبوت سے روشن رکھا۔ جب بھی کسی نبی کی تعلیمات ختم ہوئیں اللہ کریم نے نیا نبی بھیج دیا۔ روئے زمین حضرت آدمؑ سے لیکر آج تک کبھی نور نبوت سے خالی نہیں رہی کہ اگر خالی ہو جائے تو انسان باقی نہیں رہتے۔ جس طرح انسانی وجود میں دل ہے جو دھڑکتا رہے تو وجود کی حیات باقی رہتی ہے اور دل دھڑکنا چھوڑ دے تو خواہ سارا وجود سلامت ہو دل کی دھڑکن کے بغیر وجود مر جاتا ہے، بے کار ہو جاتا ہے، اس پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کائنات کی بھی ایک دھڑکن ہے جو اس کی حیات ہے وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب قائم ہوگی؟ فرمایا حتّٰی لا یقال اللہ اللہ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں ہوگا۔

اللہ اسم ذات ہے مکلّف مخلوق انسان ہے جو انبیاء کے اتباع کی مکلّف ہے جب تک اللہ اللہ کرتی رہے گی کائنات کا نظام قائم رہے گا جب کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہیں رہے گا تو سمجھو کائنات کے دل میں دھڑکن بند ہو گئی پھر کائنات تباہ ہو جائے گی۔ قیامت قائم ہو جائیگی۔ زمین و آسمان پھٹ جائیں گے، چاند ستارے جھڑ جائیں گے اور کچھ باقی نہ رہے گا۔

آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاءؑ مسلسل آتے رہے ہاں یہ ضرور تھا کہ ابتدائے زمانہ میں حضرت آدمؑ کی امت آپؑ کی اولاد ہی تھی اور کوئی دوسری انسانی آبادی نہ تھی پھر انسانیت پھیلی نئی جگہیں آباد ہوئیں اور قرآن حکیم کے مطابق کوئی آبادی ایسی نہیں تھی جسے اللہ نے نور رسالت سے محروم رکھا ہو۔ ہر

علاقے کے لئے ہر قوم کے لئے انبیاء تشریف لائے اور ہر علاقے و قوم کے لئے مخصوص نبوت و رسالت عطا کی گئی جوں جوں وقت بدلتا گیا ویسے ویسے حالات وضرورت کے مطابق انبیاء کرام کی تشریف آوری ہوتی رہی تا آنکہ حضور ﷺ جلوہ افروز ہوئے اور بندوں کو اللہ سے آشنائی عطا کرنے کا عظیم الشان کام اس شان سے کیا گیا جو آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے۔ آپ ﷺ کی ذات عالی کی ان برکات کا حصول حضور ﷺ ہی کی خصوصیت ہے۔ آپ ﷺ کی ذات عالی کی ان برکات کا حصول حضور ﷺ کو بحیثیت اللہ کا نبی اور رسول ﷺ ماننے سے ہے آپ ﷺ پر ایمان لانے سے ہے، آپ ﷺ سے ایمان ویقین کی برکات حاصل کرنے کے لئے ایمان لازم ہے اور ان برکات کا تعلق صرف بندۂ مومن سے ہے۔ اور بندہ مومن کا تعلق حضور ﷺ کی بعثت سے ہے۔ ہم سیرۃ پاک میں پڑھتے ہیں کہ تاریخ کی پہلی مسلمان خاتون حضرت خدیجہ الکبریٰؓ ہیں۔ مردوں میں پہلے مسلمان سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہیں بچوں میں پہلے مسلمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ یہ سب اولین مسلمان کہلاتے ہیں تو یہ مسلمان کب ہوئے کیا ولادت شریفہ کے بعد یا بعثت عالی کے بعد۔ جب تک حضور ﷺ مبعوث نہ ہوئے کوئی مسلمان نہ ہوا بعثت سے پہلے اسلام اور احکام اسلام کا وجود نہیں تھا۔ بعثت ہوئی تو لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ جسے نور ایمان نصیب ہوا وہ مسلمان ہوتے ہی شرف صحابیت پر فائز ہو گیا۔ عبادات یعنی صلوٰۃ، روزہ، تو بعد میں فرض ہوا اسلام لاتے ہی محض حضور ﷺ کی نگاہ مبارک کی بدولت انسان مکمل طور پر بدل کر اللہ سے کھرا ہو گیا اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ ہی اس کی منزل بن گئی جو احکام وحی الٰہی کیساتھ نازل ہوتے گئے۔ وہ ان پر پورے خلوص سے عمل پیرا ہوتا گیا تئیس برس قرآن حکیم نازل ہوتا رہا اور زندگی کے قواعد وضوابط آتے رہے۔ جو ضابطہ نازل ہوتا تھا وہ اسی لمحے نافذ العمل ہو جاتا تھا اس پورے کام میں تو تئیس برس لگے لیکن جو پہلی عظیم خاتون مسلمان ہوئیں، وہ پہلا عظیم انسان جو پہلے مسلمان ہوا، وہ پہلا عظیم بچہ جو مسلمان ہوا یہ سب مسلمان ہوتے ہی شرف صحابیت پر فائز ہو گئے۔ حالانکہ یہ تینوں عظیم ہستیاں بعثت محمد الرسول ﷺ سے پہلے بھی آپ کی رفاقت میں رہی تھیں انہیں پہلے سے ہی نگاہ پاک میسر تھی پھر کیوں بعثت عالی سے پہلے کوئی صحابی نہ بنا؟ کیا بعثت عالی سے پہلے کوئی مسلمان بنا؟ کیا بعثت عالی سے پہلے کسی کا دل اللہ کی یاد میں تڑپا؟ کیا کسی کو بعثت عالی سے پہلے تخلیق انسان کا مقصد معلوم ہوا؟ کیا معرفت الٰہی کا شعور بعثت عالی سے پہلے کسی کو حاصل ہوا؟ تو پھر ولادت با سعادت پر تو خوشی سارا جہان منائے اور مومن صرف ولادت ہی نہیں بعثت عالی کو یاد کرے اور بعثت عالی سے وفا کرے۔ بعثت عالی کے بعد جسے حضور ﷺ کی ایک نگاہ مبارک نصیب ہو گئی وہ شرف صحابیت پر فائز ہو گیا اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ جس کام کو جس فرد کو اللہ سے نسبت ہو جائے اس کا ادب واحترام بہت بڑھ جاتا ہے۔ وہ جگہیں جہاں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے قرآن حکیم کی تلاوت کی جاتی ہے، وہ جگہیں باقی جگہوں سے افضل ہوتی ہیں وہ مکان دوسرے مکانوں سے افضل ہوتے ہیں اسی طرح وہ دل جو اللہ کی یاد سے روشن ہوتے ہیں وہ دوسرے دلوں سے افضل ہوتے ہیں اور جنہیں ولایت خاصہ نصیب ہوتی ہے اہل اللہ ان کا احترام سوا ہوتا ہے کہ دنیا ان سے برکات وتعلیمات نبی علیہ السلام سیکھتی ہے۔ لیکن اگر ساری دنیا کے لوگ ولی ہو جائیں اور تمام لوگوں کی ولایت جمع کر لی جائے تو انکی ولایت نیچے رہ جائے گی اور عظمت صحابہ کی ابتدا اس سے نہایت اوپر جا کر ہوگی اس لئے کہ انہیں ایک عالم میں دار دنیا میں آپ ﷺ کی نگاہ پاک نصیب ہوئی۔ یہ تھا وہ دوسری طرح کا فیض۔ رحمت الٰہیہ کا وہ دوسرا پہلو تھا جس کا تعلق بعثت عالی سے ہے۔ ولادت با سعادت سے جو فائدے ہوئے طوفان رکے قحط سالی ختم ہوئی، جنگیں ختم ہوئیں، امن قائم ہوا، لوگوں کے

اموال میں برکت ہوئی، غرض زندگی کی تمام نعمتیں جو ساری کائنات کو ازل تا ابد نصیب ہوتیں رہی ہیں، ہوتی رہیں گی وہ سب رحمت الٰہیہ ہے، جو بطفیل محمد الرسول ﷺ نصیب ہوتی ہیں کہ حضور ﷺ رحمتہ للعلمین بنا کر بھیجے گئے ہیں لیکن بندہ مومن کو جو ملا مومن کے علاوہ ساری کائنات اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی کہ بندہ مومن تو مشت غبار تھا اسے بعثت عالی نے وصال الٰہی سے ہمکنار کر دیا لہذا بندہ مومن کو تو چاہئے کہ وہ ہر لمحے اس یاد کو تازہ کرے جو بعثت عالی سے متعلق ہے، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ہم بعثت عالی کے رشتے کو سمجھنے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اسلئے کہ ہم مادی وجود کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔ انسانی کمال کیطرف توجہ نہیں کرتے۔ چونکہ ولادت با سعادت کے ساتھ مادی برکات و فوائد حاصل ہوتے ہیں لہذا اسی پر رک جاتے ہیں اور بعثت عالی کا تذکرہ نہیں کرتے، بعثِ عالی کا تذکرہ تو لاالٰہ الا اللہ محمد الرسول سے شروع ہوتا ہے اور یہ دو جملے انسان کو باندھ کر رکھ دیتے ہیں۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

انسان اس کلمے پر ایمان لانے کے بعد اپنی کسی حاجت وضرورت کسی مصیبت اور پریشانی میں وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی سے دادرسی کی امید نہیں رکھتا۔ اسباب و وسائل اختیار کرنا تو حکم الٰہی ہے اور نظام قدرت کی پابندی ہے لیکن اس کا سر صرف بارگاہ ربوبیت میں جھکے گا۔ اسکی زبان صرف اللہ العلمین کی تسبیح کرے گی وہ جینے مرنے کے سارے ضابطے اللہ کے رسول ﷺ سے لے گا اس کی ہر حرکت وسکون، دوستی، دشمنی، معاملات و اخلاقیات، رشتے، ناطے، غرض ہر کام حضور ﷺ کے تابع فرمان ہوگا۔ کلمہ طیبہ کے یہ دو جملے قبول کرنے والے کا اپنا وجود ختم ہو جاتا ہے، اسکی رائے اور مشورہ اسکی عقل وشعور اور ذہانت وفطانت صرف اس ایک بات کے لئے رہ جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا؟ میں اس پر کتنی جانفشانی سے کتنے خلوص سے عمل کر رہا ہوں عمل کے لئے کوشاں ہوں، اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں رہتا۔

اسی لئے ہم نے بعثتِ عالی کے تذکرے سے دامن چرالیا ہے، ہم بعثت عالی کے لئے کوئی جلسہ نہیں کرتے ہم بعثت عالی کے پیغام کے بارے بات ہی نہیں کرتے کہ اس پیغام میں تو عمل کرنے کو اہمیت دینے کا اپنی ذات کو پیچھے کر کے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات کو اہمیت دینے کا معاملہ ہے حالانکہ یہی وہ نعمت ہے جو اللہ کریم نے انسانوں کو عطا کر کے انہیں تمام مخلوقات میں سب سے بلند کر دیا یہ انسان کی اپنی ضرورت ہے اسی سے دنیا کا سکھ ہے اسی میں آخرت کی سرخروئی ہے، یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اللہ کریم نے اپنے بہترین بندوں کو یعنی انبیاء علیہ السلام کو بھی اس سے بہرہ ور فرمایا۔

انبیاء سابقہ سے جو فیوضات و برکات کائنات کو ملے۔ انبیاء کرامؑ کو فیوضات و برکات بطفیل محمد الرسول ﷺ نصیب ہوئے۔ آپ ﷺ نبیوں کے بھی نبی ہیں۔ امام الانبیاء ہیں۔ اللہ کریم نے انبیاء کی یہ آرزو پوری کرنے کے لئے انہیں آپ ﷺ کا اتباع نصیب ہو، شبِ معراج آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء کو بیت المقدس میں جمع فرمایا، جنہوں نے حضور ﷺ کی اقتداء میں دو رکعت صلوٰۃ ادا کی۔ یہ کوئی رسمی جلسہ تو نہیں تھا یہ اس لئے تھا کہ ان سب کو جو برکات، عظمتیں، معجزات اور رحمتیں بارگاہ الٰہی سے نصیب ہوئیں وہ سب بطفیل محمد الرسول ﷺ ہی نصب ہوئیں اب عملی اور ظاہری طور پر بھی اتباع محمد الرسول اللہ نصیب ہوا اس لئے یہ محفل سجائی گئی اور انبیائے کرامؑ کو علیین سے، عالم بالا سے، برزخ سے، آسمانوں سے واپس اسی جہان میں اسی دنیا میں لایا گیا کہ یہ مقدس جماعت دو رکعت صلوٰۃ محمد الرسول ﷺ کی اقتداء میں ادا کریں۔ اتباع رسول ﷺ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس نعمت سے بہرہ ور ہونے کے لئے انبیاء کرامؑ دنیا میں

تشریف لائے۔ جن میں صاحب کتاب اور اولعزم رسولؑ بھی ہیں حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، یعقوب و یوسفؑ کس کس کا نام شمار کرتے ہیں جن کے اسمائے گرامی قرآن نے بتائے وہ سارے بھی اور جن کے نام نہیں بتائے وہ تمام بھی کم وبیش سوا لاکھ کے قریب جو انبیاء و رسل مبعوث ہوئے وہ سب تشریف لائے کہ دو رکعت اقتداء محمد الرسول ﷺ انہیں نصیب ہو جائے۔ اگر اتباع محمد الرسول اللہ ﷺ جیسی نعمت کے حصول کے لئے اللہ کے مقرب رسولؑ دنیا میں لائے گئے تو امت محمد الرسول ﷺ کا تو مقصد و محور ہی اتباع رسول اللہ ﷺ بنایا گیا ہے پھر امت خود کو اس نعمت سے دور کیوں لے گئی۔ آج جب ہم حضور ﷺ کی بات کرتے ہیں تو محض رسومات و رواجات کی حد تک کرتے ہیں ایسے ایسے اعمال سرانجام دیتے ہیں جو بجائے خود گستاخی کے زمرے میں آتے ہیں۔ پہلے میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے جلسے ہوا کرتے تھے ان میں حد ادب کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ پھر جلوس شروع ہو گئے ان میں ادب کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا اور اب جلوس ترقی کر کے جشن بن گیا ہے اس کا مطلب ہے کہ جس کا جو جی چاہے کرے کوئی روک ٹوک نہیں کوئی حدود و قیود نہیں اس طرح کے جشن میں حضور ﷺ کے میلاد کے نام پر ایسی محافل بجتی ہیں جن میں اللہ کی واحدانیت کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ احکام رسالت اور برکات رسالت کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا اگر کہیں بات ہو تو صرف حضور ﷺ کے وجود باجود سے جو مادی منفعتیں نصیب ہوتی ہیں انہی کی ہوتی ہے حالانکہ تمام مادی منفعتیں تو کافر کو بھی حضور ﷺ کے وجود باجود کی برکت سے ہی نصیب ہوتی ہیں۔ زندگی تو کافر کے پاس بھی ہے، منکر کے پاس بھی ہے، انکو اللہ نے مال و اولاد، گھر و بار اقتدار و حکومت سب ہی کچھ دے رکھا ہے، مومن کے لئے تو اپنی حیثیت کے مطابق لینے کی چیز وہ تھی جن کے لئے انبیاء سابقین بھی دنیا میں حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں تشریف لائے خاص اس محفل کے لئے تشریف لائے کہ زندگی میں دو رکعت حضور علیہ السلام کی اقتداء میں نصیب ہو جائے۔

کیا ہم نے کبھی سوچا ہمیں دن میں پانچ مرتبہ کتنی رکعتیں حضور ﷺ کے اتباع میں نصیب ہوتی ہیں؟ یہ کس کی اقتداء ہے؟ جسکی اقتداء اور اتباع کے لئے تمام نبیؑ دو رکعت ادائیگی صلوٰۃ کے لئے دنیا میں دوبارہ جلوہ افروز ہوئے اور اللہ نے ان پر اپنی نعمت تمام کرنے کے لئے یہ احسان فرمایا اور آج ہم ہیں کہ اس کے حکم کے مطابق اس کے اتباع میں ہم پر آج دو رکعت بھی بھاری ہو گئی ہے۔ اپنے باطن کو دیکھیں کہ نور رسالت سے کتنا منور ہے، ہمارا تو ظاہر بھی احکام رسالت سے قطعاً عاری ہے کوسوں دور ہے۔ آج جو فرد سنت کے مطابق حلیہ بنا لے وہ دہشت گرد کہلاتا ہے۔ قاتل و بدکار کہلاتا ہے اس سے تو دور سے ہی ڈرنا چاہئے اور جو آج کی دنیا کی سفاک ترین اقوام جو انسانیت کی تباہی کا سبب ہیں ان جیسا حلیہ بنا لے تو وہ جنٹلمین ہے شریف و مہذب آدمی ہے اس جیسا بننے کی کوشش میں ہر کوئی لگا ہوا ہے۔

آج کے جشن کا نام تو میلاد النبی ﷺ ہوتا ہے اور اس میں ہر وہ کام کیا جاتا ہے جس سے حضور ﷺ نے منع کیا ہے۔ ہم سب کے سامنے یہ جشن ہو رہے ہیں ذرا ایمانداری سے سوچئے کہ ان تمام اعمال سے کیا حضور ﷺ کو خوشی ہو گی؟

ہم نے بعثت سے رشتہ توڑا ہے تو ہمارا سارا طرز زندگی آپ ﷺ کے اتباع سے ہٹ چکا ہے خوشی کے موقعے پر بے قابو ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جنازہ تو پڑھ لیتے ہیں لیکن جنازے کے ساتھ اتنی رسومات ہیں کہ وہ دنیا بھر کی مختلف اقوام سے ادھار لی گئی ہیں کہیں ہندو رسومات ہیں کہیں سے بے دینوں اور یہودیوں سے لی گئی ہیں کہیں یہود و نصاریٰ سے متاثر ہو کر اختیار کر لی گئی ہے۔ جیسا کہ آج کل ٹی وی پر ان پولیس والوں کی جائے شہادت دکھائی جا رہی تھی جو دہشت گردوں کے ہاتھوں مارے گئے اس چوک پر کچھ لوگ موم بتیاں جلا کر

پھول رکھ کر کھڑے تھے۔ آج ہماری اسمبلیوں میں تقریب کے لئے دو منٹ کی خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔

یہ رسومات کن کی ہیں؟ یہ کن کے اصول ہیں؟ وہ جو اللہ کو نہیں مانتے وہ جنہوں نے حضور ﷺ کی بعثت کو قبول نہیں کیا؟ جنہوں نے اپنی زندگی کے لئے اللہ کہ راہنمائی حاصل نہیں کی؟ یہ ان کے اصول ہیں ان کی رسومات ہیں۔

بندہ مومن کو حضور ﷺ کی بعثت سے وہ سلیقے سکھائے گئے جو بہترین ہیں مومن تو اللہ سے دعا کرتا ہے فاتحہ پڑھتا ہے، ایصال ثواب کرتا ہے، آج بھی خال خال لوگ فاتحہ پڑھتے نظر آتے ہیں، لیکن آج روشن خیالی کا دور دورہ ہے۔ اور روشن خیال وہاں پہنچ گئے ہیں جہاں دہرے ہیں روشن خیالی یہ ہے کہ معبود کے سامنے ہاتھ نہ اٹھیں لبوں سے اللہ کا نام نہ نکلے اللہ کے حبیب ﷺ کا نام مبارک منہ پر نہ آئے بس موم بتی جلا دو اور ایک منٹ کی خاموشی اختیار کرلو۔

ہم جشن ولادت مناتے ہیں اور احکام شرعی بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اس لئے کہ جب بعثت سے رشتہ ہی نہیں رکھتے تو بعثت کے احکام جاننے کی کیا ضرورت؟ احکام شریعت کا تعلق تو بعثت عالی سے ہے حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو توحید باری کا سوال اٹھا توحید باری حاصل ہوئی۔ حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو مقام رسالت کی اہمیت اور ضرورت کا علم ہوا حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو احکامِ الٰہی بندوں تک پہنچے فرائض و واجبات سنن و مستحب کا سوال پیدا ہوا۔ بعثت کا تو اسی لئے نام نہیں لیتے کہ پھر توحید باری، رسالت، اسلام، کے تقاضے، شریعت کے احکام ماننے پڑیں گے خود کو اس آئینے میں دیکھ کر اپنا مقام جاننا پڑے گا۔

میں انکی خدمت میں قرآن حکیم کی عظیم الشان آیت کی تلاوت کی سعادت حاصل کر کے آپکی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً (المائدہ آیت نمبر ۳) "آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی ساری نعمتیں تم پر تمام کردیں اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کرلیا"

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا ہے کہ آج دین مکمل ہو گیا کیا صرف دین ہی مکمل ہوا یا کچھ نعمتیں، انعامات اور برکات اللہ کے ہاں بچ گئے؟ نہیں اگلا ارشاد ہے کہ میں نے اپنی ساری نعمتیں تم پر تمام کردیں۔ اب نہ کوئی نیا دین آئے گا نہ کوئی نئی کتاب نہ کوئی نیا نبی آپ ﷺ کی بعثت کے بعد مزید کوئی انعام ایسا نہیں جو بندہ اللہ سے پالے جس نے جو لینا ہے اور جو ملے گا وہ اسی حبیب کبریا ﷺ کے قدموں میں ملے گا محمد الرسول ﷺ کی غلامی آپ ﷺ کے اتباع ہی سے ملے گا۔ اسی دین میں تمام عالمین کے لئے رحمتیں ہیں دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں انہی قدموں میں رہنے سے ملیں گی آپ ﷺ کے اتباع میں ہی قرب الٰہی ہے، وصال الٰہی اور جمال الٰہی ہے سب کچھ اس میں سمو دیا گیا ہے اب اس کے بعد کچھ اور کہیں اور سے ملنے کی امید نہیں **ورضیت لکم الاسلام دیناً** یعنی بعثتِ عالی وہ انعام ہے کہ کسی کو قیامت تک کی زندگی مل جائے اسکی زبان ساتھ دے عقل سلامت رہے، اعضاو جوارح درست رہیں اور کسی لمحے خاموش نہ رہے اس کے پاس بے پناہ علم ہو وہ قیامت تک بولتا رہے بیان کرتا رہے تو دین اسلام کے فضائل، قرب الٰہی کے انعامات، بعثتِ رسالت کی برکات کی تعریفیں کہیں ختم نہیں ہوسکتیں۔

تو میرے بھائیو، بہنو، میرے بیٹو اور میری بیٹیو میرا اور آپ کا بحثیت مسلمان حضور ﷺ سے تعلق بعثت عالی سے ہے۔ ولادت باسعادت سے تو ساری کائنات کا تعلق ہے، ہمارا ایک خاص تعلق ہے، جو سوائے کلمہ گو کے جہان میں کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔ اور یہ وہ تعلق ہے کہ بعثت محمد الرسول سے دلوں کو روشن کرو۔ آپ ﷺ نے کلمہ طیبہ پر عہد لیا

تھا ہم نے بھی اسی کلمے کو قبول کر کے عہد کیا ہے وہ عہد بعثت محمد الرسول ﷺ سے متعلق ہے اس عہد کو تازہ کریں اسے یاد کریں اس کے تقاضے مانیں ان کو پورا کریں۔ اور وہ برکات جو بعثت عالی سے تعلق رکھتی ہیں انہیں پہچانیں ان کے طالب بنیں حضور ﷺ کی ایک نگاہ پاک سے صحابہ کے جلد سے لیکر نہاں خانہ دل تک ڈھائی کھرب سیل روشن ہو گئے اور اللہ اللہ کرنے لگ گئے۔ اندازہ کیجئے اس وجود کا جس سے ڈھائی کھرب سیل اللہ اللہ کی صدائیں ہر لمحے بلند ہو رہی ہیں اور ہم ہیں کہ اس کو چھوڑ کر دال روٹی کے پیچھے لگ گئے ہیں۔

بعثت عالی کی ان برکات کے طالب بنیئے حصول معرفت الٰہی مقصد تخلیق انسان ہے یہ وہ نعمت ہے جو بعثت عالی کے طفیل ملتی ہے۔ جس کیطرف کوئی دوسرا آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔

وَ اٰخِرُ دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

اللہ یار خان رحؒ ہسپتال میں سپیشلسٹ کلینک کا آغاز

☆ ڈاکٹر امتیاز احمد.......... ہارٹ سپیشلسٹ (پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی لاہور)

اوقات: بروز منگل۔ بدھ۔ جمعۃ المبارک شام 6 بجے تا 9 بجے

☆ ڈاکٹر عامر رضا.......... چائلڈ سپیشلسٹ (چلڈرن ہسپتال لاہور)

اوقات: بروز سوموار تا جمعۃ المبارک شام 6 بجے تا 9 بجے

☆ ڈاکٹر فرزانہ رشید.......... (فی میل فزیشن)

اوقات: بروز سوموار تا جمعۃ المبارک شام 6 بجے تا 9 بجے

ای۔ سی۔ جی۔ بھاپ دینے والے مشین، شوگر ٹیسٹ۔ کارڈیک مانیٹر اور لیبارٹری کی سہولیات موجود ہیں۔

اللہ یار خانؒ ہسپتال 34- اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور
فون۔ 042-5183888-0343-4570645

امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ کے فی البدیہہ خطابات پر مشتمل منفرد انداز کی پہلی بیانیہ تفسیر قرآن حکیم

"اکرم التفاسیر" سے اقتباس......

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ چکوال (05-12-2008)

اعوذ بااللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھرَ بَالسُّوْ ءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ط وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیعاً عَلِیماً.......... سورہ النساء آیات 148 تا 153

تفسیر ۔ اللہ کریم کو برائی کی بات کو زبان پر لانا پسند نہیں ہے دنیا میں ہر طرح کے واقعات رونما ہوتے ہیں لوگ بھلائی بھی کرتے ہیں اور لوگوں سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں ظلم و زیادتی بھی ہوتی ہے لیکن انہی باتوں کو دہراتے رہنے سے یہ برائی کی تبلیغ بن جاتی ہے دوسروں کو اس سے ترغیب ملتی ہے وہ اسے برائی کرنے کا جواز بنا لیتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ وہ اکیلے ہی تو برائی نہیں کرتے دوسرے بھی تو کرتے ہیں یوں برائی کو اعلانیہ بار بار دہرایا جائے تو اس سے پھیلتی ہے۔ لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے ہاں اخبارات میں ٹی وی پر خبر بنتی ہی برائی کی ہے۔ اخبارات اور ٹی وی چوری، ڈاکے، ظلم و زیادتی کی خبروں سے بھرے ہوئے ہوں گے گویا اتنے وسیع ملک میں کوئی بھلائی کا کام ہوتا ہی نہیں کہ خبروں کی زینت بنے۔ برائی کی خبر کو ہمارے ہاں بار بار نشر کیا جاتا ہے چونکہ نیوز چینل چوبیس گھنٹے چلتے ہیں لہذا انہی خبروں کو خوب بڑھا چڑھا کر کمپیوٹر گرافکس کے ذریعے خوب وضاحت کے ساتھ نشر کیا جاتا ہے ایک ہی خبر کو بار بار دہراتے رہتے ہیں اللہ کریم کی بارگاہ میں یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے۔

ہاں اگر کسی کے ساتھ ظلم ہوا ہے تو اسے فریاد کا حق حاصل ہے لیکن داد رسی کے لئے متعلقہ ادارے کو بتائے متعلقہ لوگوں کو بتائے جہاں انصاف ملنے کی توقع ہے جہاں ظلم کے خلاف چارہ جوئی ہونے کی امید ہے اس کے بعد اس برائی کا زیادتی اور ظلم کا اشتہار نہ دیتا پھرے اور نہ ہی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرے اس لئے کہ " وکان اللہ سمیعاً علیماً " اللہ کریم ذاتی طور پر سن بھی رہے ہیں اور جانتے بھی ہیں۔ مظلوم کو یہ اجازت نہیں کہ وہ حقائق چھپائے یا مسخ کرے بلکہ اسے اجازت ہے کہ وہ سچا اور کھرا واقعہ بیان کرے۔ ہمارے ہاں تو یہ ایک رواج بن گیا ہے کہ جرم ایک بندہ کرتا ہے پرچہ دس آدمیوں کے خلاف کٹوا دیا جاتا ہے کہ اس طرح انہیں رسوا کیا جائے تو فرمایا برائی کو بڑھانا اور اسے پھیلانا خود ایک بہت بڑی برائی ہے۔ جو اللہ کریم کو قطعاً پسند نہیں۔ برائی کی بات کا شور و غوغا کرنا اور اسے دور تک پھیلانا اللہ کریم کو پسند نہیں فرمایا جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے وہ بغیر بڑھائے چڑھائے اصل واقعہ ان افراد کے گوش گزار کردے جو اسے انصاف دلا سکیں۔ اور یہ یاد رکھے کہ جو بات ہوئی وہ اللہ کریم نے سنی اور جو کام ہوا وہ اللہ کریم نے دیکھا۔

ان تبدوا خیرا او تخفوہ او تعفوا عن سوء فان اللہ کان عفواً قدیراً

ہاں اگر بھلائی کے کاموں کو نیک کاموں کو ظاہر کردیا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ اس طرح دوسرے لوگوں کو بھی اس سے تحریک ملتی ہے۔ نیک کام دوسروں کو نیکی کی ترغیب دیتے ہیں کوئی شخص اگر کسی کا قرضہ اتروا دیتا ہے، کسی بیمار کی مدد کردیتا ہے کسی کمزور کے کام آجاتا ہے تو اگر وہ ان نیکی کے کاموں کو محض اس لئے بیان کرے کہ دوسروں کو بھی اس

سے ترغیب ملے تو یہ اچھی بات ہے۔ او تخفوہ اور اگر کوئی اپنے نیک کاموں کو اس لئے چھپائے کہ کہیں اس میں ریاکاری نہ آجائے ۔تو یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ اس لئے کہ نیکی تو تب ہی نیکی بنتی ہے جب وہ اللہ کی رضا کے لئے کی جائے اگر کسی نے نیکی کر کے بندے پر احسان رکھا تو وہ پھر نیکی نہیں رہتی کہ وہ تو اللہ کی رضا کے لئے نہیں کی گئی ۔اگر لوگ اس کی نیکی کو بیان کریں تو اچھی بات ہے کہ اس طرح دوسرے لوگوں میں نیکی کرنے کی تحریک پیدا ہوگی ۔ بہرحال نیکی کرنے والا نیکی کو اس لئے پوشیدہ رکھے کہ لوگوں میں شہرت ہونے سے ریاکاری کا خطرہ ہے تو پوشیدہ رکھنا بھی نیکی ہے اور نیکی کا اعلان اس کے فطری طریقے سے ہو جائے اور لوگوں کو نیک کاموں کی ترغیب ملے تو یہ بھی درست ہے۔ بشرطیکہ نیکی کرنے والے کی نیت خالص رضائے باری تعالیٰ ہو۔ اوتعفوا عن سوءٍ اگر کسی نے زیادتی کر دی ہو اور آپ درگزر کر سکتے ہیں، قابل برداشت ہو تو درگزر کریں کہ یہ اللہ کو پسند ہے اس لئے کہ اگر برائی کا جواب برائی سے ہی دیا جائے تو برائی اور پھیلے گی اور بڑھے گی۔ اگر برائی کو درگزر کر دیا جائے، معاف کر دیا جائے تو عنداللہ یہ بہت پسندیدہ بات ہے کہ اس رویے سے برائی میں کمی ہوتی ہے۔ فان اللّٰہ کان عفواً قدیراً اللہ کریم بہت بڑے معاف کرنے والے ہیں ۔ اگر کوئی کسی کی غلطی معاف کرتا ہے تو معاف کرنے والوں سے بھی لاکھوں غلطیاں ہو جاتی ہیں اس سے بھی کبھی غلطیاں سرزد ہوئی ہوتی ہیں تو جب بندہ کسی دوسرے کا قصور معاف کرتا ہے تو اللہ کریم اس کے اس نیک عمل کو قبول فرما کر شاید اس کی بہت سی خطائیں معاف فرما دے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِا اللّٰہ ورسلہِ اللہ کریم معاف کرنے پر بھی قادر ہے اور گرفت کرنے پر بھی قادر ہے لیکن لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ اللہ کا انکار کرتے ہیں اللہ کی عظمت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے رسولوں کی نبوت اور رسالت کا انکار کرتے ہیں۔ انکار کی بھی اقسام ہیں ایک قسم سے اللہ کی عظمت کو توحید باری اور رسالت اور انبیاء کو قبول ہی نہ کرنا اور سرے سے اس کا انکار کر دینا اور دوسری قسم یہ ہے کہ کسی ایک نبیؑ کو ماننا اور باقی انبیاءؑ کا انکار کر دینا اس طرح فرقہ بندی کرنا ان یفرقوابین اللّٰہ وَرُسلِہٖ حالانکہ اللہ نے جتنے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے وہ سب برحق تھے سب سچے تھے اور سب کی نبوت پر ایمان لانا ضروری تھا۔ لیکن یہ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے رسولوں میں تفریق کرتے ہیں۔

حق یہ ہے کہ تمام سابقہ انبیاء کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن عمل صرف حضور ﷺ کی شریعت پر کیا جائے گا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد تمام سابقہ ادیان ختم ہو گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور اللہ کریم نے حضور ﷺ کے دین اور شریعت کو قیامت تک کے لئے جاری کر دیا یعنی دین صرف ایک ہے، دین اسلام جو حضور ﷺ لائے اور لوگوں تک پہنچایا لہذا بعثتِ رسول ﷺ کے بعد عمل صرف حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر ہوگا اتباع صرف آپ ﷺ کا ہوگا لیکن لوگ کیا کرتے ہیں ویقولون نو من ببعض و نکفر ببعض وہ کچھ انبیاء علیہ السلام کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے نبیؑ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں

ویریدون ان یتخذوابین ذٰلک سبیلاً وہ چاہتے ہیں کہ درمیانی راستہ محفوظ نہیں اور ایسے لوگ پکے کافر ہیں اولٰٓئکَ ھم الکٰفِرُوْنَ حَقاً کسی بھی نبیؑ کی نبوت کا انکار اللہ کی عظمت کا انکار ہے اس لئے کہ ہر نبیؑ اللہ کا نبی ہے اور نبیؑ کا انکار کرنے والا کافر ہے اور تمام درمیانی راستے محض مفروضے ہیں نبی کریم ﷺ نے زمین پر ایک خط کھینچ کر فرمایا "یہ تو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے" اس کے دائیں بائیں کچھ لکیریں کھینچ کر فرمایا "یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر ایک پر ایک شیطان بیٹھا لوگوں کو ورغلا رہا ہے کہ اوپر آؤ یہ صحیح راستہ ہے" یہ ارشاد فرما کر آپ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یہ میرا

سیدھا راستہ ہے پس اس پر چلو (مشکوٰۃ) فرمایا یہ ہرگز اسلام نہیں کہ بعض انبیاء کی تکذیب کی جائے اور بعض کو مانا جائے بلکہ ایسا ماننے والے ایسا کرنے والے پکے کافر ہیں

وَاعتدنا للکفرین عذاباً مھیناً اور کافروں کے لئے ہم نے نہایت اہانت آمیز سزائیں تیار کر رکھی ہیں یعنی صرف سزا اور عذاب ہی نہیں ہوگا بلکہ ایسا حساب ہوگا جس کے نتیجے میں ذلت و رسوائی بھی ہوگی۔ اللہ کریم اس سے پناہ میں رکھے

والذین اٰمنوا باللّٰہ وَرسلہ ولم یفرقوا بین احد منھم اولٰئک سوف یُؤتیھم اجورَھم و کان اللّٰہ غفوراً رّحیماً ایسے لوگ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اسکی عظمت پر ایمان لاتے ہیں اس کے تمام رسولوں کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار نہیں کرتے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ کریم عنقریب بہترین اجر عطا فرمائیں گے وکان اللّٰہ غفوراً رحیماً کہ وہ مغفرت عطا کرنے والے اور رحیم ہیں اگر کسی سے عملی زندگی میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ کریم بہت زیادہ بخشش عطا کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ رحمت الٰہی بہت وسیع ہے ہم اپنی عقل اور اپنے انسانی علم سے اس کی حدود متعین نہیں کر سکتے کوئی بڑی سے بڑی غلطی کر بیٹھے بڑے سے بڑا گناہ کر لے لیکن اسے اپنی غلطی پر ندامت ہو جائے اور اسے اللہ کی رحمت پر یقین بھی ہو اور وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر توبہ کرے۔ اللہ سے گزشتہ کی معافی چاہے آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کر لے اس برائی کو چھوڑ دے، باز آجائے تو اللہ کی رحمت بہت وسیع پائے گا کہ صرف اسی کی ذات بے حد و بے حساب معاف کرنے والی ہے۔ یَسئلک اھل الکتٰب ......وَاٰتینا مُوسیٰ سُلْطٰناً مُّبیناً فرمایا اہل کتاب ایسے کج بحث ہیں اور ایسے عجیب مزاج کے لوگ ہیں کہ الٹ سوچتے ہیں اغراض کرتے ہیں اور بے عملی کے لئے نت نئے اعتراضات کرتے رہتے ہیں حالانکہ حق یہ ہے کہ نبوت و رسالت اللہ کریم خود عطا کرتے ہیں اور نبی کی نبوت کی دلیل خود نبی علیہ السلام کی ذاتِ عالی ہوتی ہے کہ نبیؑ اپنے ہر قول میں سچا ہر فعل میں نیک اور ہر حال میں کھرا انسان ہوتا ہے۔ جب کسی ہستی کی نبوت کا اقرار کر لیا جائے تو پھر سوالات کی گنجائش باقی نہیں رہتی سمجھنے کے لئے سوال کرنا اور بات ہے اور اعتراض کے لئے سوال کرنا گستاخی ہے۔ مشرکین مکہ کی عادت تھی کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے علماء کے پاس مدینہ منورہ جاتے اور اعتراضات سیکھ کر آتے۔ انہی کے بارے ان آیات مبارکہ میں بات ہو رہی ہے کہ یہ آپ ﷺ سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام پر ایک لکھی لکھائی کتاب آسمان سے اترے تو یہ ایمان لائیں کہ آپ ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی ہے اس کا تو گواہ ہی کوئی نہیں۔ اللہ کریم نے فرمایا اے میرے نبی ﷺ آپ سے تو انہوں نے کتاب کے نزول کا مطالبہ کیا فقد سالوا موسیٰ اکبرا من ذٰلک لیکن موسیٰؑ سے تو انہوں نے اس سے بھی بہت بڑا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے موسیٰ سے کہا تھا فقالوا ارنا اللّٰہ جھرۃً اللہ کو ہمارے روبرو کر دو ہم اللہ کو دیکھیں گے ہم اللہ سے بات کریں گے ہم اللہ سے پوچھیں گے کہ یہ واقعی نبیؑ ہیں اور یہ واقعی آپکی کتاب ہے۔

فرمایا یہ اتنی بڑی گستاخی تھی کہ فاخذ تھم الصعقۃ ان پر بجلی گری اور وہ ہلاک ہو گئے یہ اتنی بڑی جرات تھی اتنا بڑا سوال تھا کہ ان پر بجلی گری اور اس نے انہیں خاک کر دیا حضرت موسیٰ طور پر تشریف لے جاتے اور کلام الٰہی سے بہرہ ور ہوتے۔ یہودیوں نے کہا کہ اور لوگوں کو بھی ساتھ لے جائیں تا کہ یہ آپکے ساتھ بات سنیں تو ہمیں یقین آ جائے تو موسیٰ علیہ السلام قوم کے بڑے بڑے لوگ ستر کی تعداد میں ساتھ لے گئے ابھی وہ پہاڑ پر نہیں پہنچے تھے وادی ہی میں تھے تو کہنے لگے موسیٰ کیا صرف آواز ہی آئے گی یا اللہ کریم سامنے بھی ہوں گے ہم انہیں سننا اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام پر اعتبار نہ کرنا ایسی عظیم محرومی ہے

کہ بندہ ایمان سے عاری ہوکر بے عقل ہو جاتا ہے اور ایسے مطالبے کرنے لگتا ہے۔ مخلوق ہوکر خالق کو حاضر کرنے کا مطالبہ اتنی بڑی گستاخی تھی کہ فضاء میں بجلی کی کڑک آئی اور وہ موت کے گھاٹ اتر گئے۔ موسیٰ نے اللہ پاک سے عرض کی کہ بارالٰہ یہ تو جاہل تھے ہلاک ہو گئے لیکن قوم تو مجھ پر طعن کرے گی اور مجھ پر الزام عائد کرے گی کہ قوم کے ستر چیدہ افراد شہادت و گواہی کے لئے ساتھ گئے تھے آپ نے انہیں مروادیا تو یہ جاہل لوگ ہیں آپ مہربانی فرما کر انکی جہالت سے درگزر فرمایئے اور انہیں زندگی عطا کر دیجئے چنانچہ اللہ کریم نے اپنے عظیم رسولؑ کی دعا قبول فرما کر انہیں دوبارہ زندگی عطا کردی ثـم اتـخـذوا الـعـجـل من بعد ما جاء تهم البينت پھر بھی بجائے اصلاح احوال کے یہ دوبارہ نافرمانی کے راستے پر ہی چلنے لگے یہ ایسی عجیب قوم ہے کہ ان کے پاس موسیٰ کی نبوت کی تصدیق کے لئے واضح دلائل آئے معجزات ظہور پذیر ہوئے پھر بھی بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے اور اسکی پوجا میں لگ گئے جس کی پاداش میں ان پر سزا مرتب ہوئی۔ موسیٰ نے پھر اللہ کریم سے معافی لے کر دی اللہ کریم نے پھر درگزر فرمایا اور حضرت موسیٰ کو صریح غلبہ عطا فرمایا۔

قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے نزول سے لیکر قیام قیامت تک اللہ کی آخری کتاب ہے اور ہدایت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ آیات قرآن کا نزول بیشک کسی خاص واقعہ کے ساتھ منسلک ہے اور آیات کریمہ مخصوص موقعوں پر نازل ہوئیں لیکن ان آیات کا حکم عام ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ ان آیات میں بتایا جارہا ہے کہ نبی علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کر لینے کے بعد، ارشادات نبوت کو مان لینے کے بعد پھر رسومات میں کھو جانا کتنی بڑی گستاخی ہے۔ یہ آیات ہر مسلمان کو یاد دلا رہی ہے کہ اگر یہودیوں نے بچھڑا پوجنا شروع کر دیا تھا تو آج ہمارا کردار کیا ہے؟ ہم عملی زندگی میں روزمرہ کے کاموں میں کتنے کام سنتِ رسول ﷺ کے مطابق کرتے ہیں اور کتنی زندگی رسومات کی نذر ہو جاتی ہے۔ اسطرح سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بچے کی پیدائش سے لیکر جنازے تک ہر کام میں سنت کی جگہ رسومات نے لے لی ہے اور اگر بتایا جائے کہ شرعی اور مسنون طریقہ یہ ہے تو کہتے ہیں کہ اس طرح تو ہماری ناک کٹی ہوگی لوگ کیا کہیں گے ان کے والد فوت ہو گئے تو انہوں نے چار دیگیں بھی نہ پکائیں۔ یعنی ہر کام میں لوگوں کی رائے کی فکر ہے لوگوں کی واہ واہ حاصل کرنے کی چاہت ہے اور لوگ ایسے عجیب ہیں کہ دیگیں کھا کر جاتے ہیں پھر بھی کوئی کہتا ہے کہ گوشت کم تھا کوئی کہتا ہے کہ مرچ مصالحے زیادہ تھے۔ خوش ہوکر کوئی بھی نہیں جاتا سب ہی کھا پی کر تنقید کرتے ہیں لیکن ہم ہیں کہ ہر رسم کو ضروری سمجھتے ہیں اور کہیں بھی ہمیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ جس دین کو مانتے ہیں اسکے احکام پر بھی عمل کریں۔ یہ وہی یہودیوں والی بات ہے کہ سارے معجزات اور صداقتِ نبیؑ کے تمام واضح دلائل دیکھ لینے کے بعد پھر وہ بچھڑا پوجنے لگے تھے۔ قرآن حکیم ہمیں یہ واقعات گزشتہ کیوں سناتا ہے؟ قرآن حکیم نہ تو تاریخ کی کتاب ہے نہ قصہ کہانیوں کی کتاب، قرآن حکیم یہ سب کچھ اس لئے سناتا ہے کہ ہماری تعلیم و تربیت کرے ہمیں ترغیب و ترتیب سے سمجھائے کہ ان واقعات سے عبرت حاصل کرو اور دیکھو تم کہیں اس روش پر نہ چل پڑنا۔ ہمیں ان آیات کریمہ کی روشنی میں زندگیوں کا جائزہ لینا چاہئے تاکہ ہم اپنے معاملات کو امور دنیا کو حضور ﷺ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھال لیں پوری طرح سے اتباع رسالت اختیار کریں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں فـعـفـو ناعن ذٰلک ہم نے پھر ان سے درگزر کیا، انہیں پھر معاف کر دیا اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ گاؤ سالہ کی پرستش کے بعد بھی جب انہیں ندامت ہوئی تو اللہ کریم نے ان کی توبہ قبول فرما کر انہیں معاف کر دیا۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ ان کی توبہ اس طرح آسانی سے قبول نہیں ہوئی تھی۔

جب حضرت موسیٰ نے انہیں بچھڑے کی پرستش پر ملامت کی اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے عرض کی کہ انہیں سامری نے دھوکہ دیا اور وہ بچھڑے کی پرستش میں لگ گئے وہ اس گناہ سے تائب ہونا چاہتے ہیں لہذا آپ بارگاہ الوہیت میں عرض کیجئے کہ ہماری توبہ قبول ہو جائے۔ تو اللہ کریم نے حکم دیا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کو سجدہ نہیں کیا تھا انہیں تلوار دے دی جائے اور جن لوگوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا ہے وہ گردنیں جھکا کر کھڑے ہو جائیں انہیں قتل کر دیا جائے تو جو قتل ہو جائے گا اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اس طرح ان کی توبہ مکمل ہوئی اس مثال میں اتنا خون بہا کہ پاؤں ٹخنوں تک مٹی اور خون میں دھنس گئے۔ حضوت موسیٰ نے پھر ان کے لئے دعا فرمائی کہ بار الہ یہ جاہل تھے تیری اتنی مخلوق قتل ہو گئی ہے اب جو باقی رہ گئے ہیں انہیں معاف فرما دے۔ اللہ کریم نے حضرت موسیٰ کی دعا قبول فرما لی اور فرمایا جو میرے حکم پر سر تسلیم خم کر کے کھڑے ہوئے اور میرے حکم پر گردن کٹائی انہیں میں شہید کا درجہ عطا کرتا ہوں اور جو باقی بچ گئے ہیں انہیں معاف کرتا ہوں۔

حضور ﷺ کی امت کے لئے توبہ کس قدر آسان ہے آج ہمیں گردن نہیں کٹانا پڑتی۔ صرف خلوص کے ساتھ اللہ سے معافی مانگ لیں اور برائی کا رویہ چھوڑ دیں بس صرف ایک ہی شرط ہے تـوبوا و اصلحوا توبہ کر لو اور اپنی اصلاح کر لو تو گزشتہ ساری خطائیں معاف کر دی جائیں گی وَ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا ہم نے موسیٰ کو واضح دلائل دیئے قوت و طاقت دی دلائل و براہین اور اختیار و اقتدار سے ان کی صداقت ثابت کی۔

وَاٰخِرُ دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔

تعاونوا علی البر و التقوی

مخیر حضرات کیلئے صدقہ جاریہ کا نادر موقع

احباب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے مستحق بچے و دیگر نادار ذہین طلباء میرٹ پر پورا اُترنے کے باوجود ادارہ ہذا میں مالی مشکلات کے باعث تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ ادارہ ممکن حد تک ان طلباء کی مدد کر رہا ہے لیکن تعداد زیادہ ہے اور تعلیمی اخراجات 60/50 ہزار روپے سالانہ ہیں۔ مخیّر حضرات اس کار خیر میں حصہ لے سکتے ہیں۔

برائے رابطہ

پرنسپل صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ ضلع چکوال فون 0543-562222

امیر المکرمؒ کا نوجوانوں سے خطاب

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 26-07-08

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیمo

ومن جھد فانما یجاھِدُ لنفسِہٖo (العنکبوت ٦)

اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ جو شخص محنت ومجاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنے فائدے کے لئے کرتا ہے اس محنت اور کوشش کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے ورنہ دنیوی زندگی تو اپنی روش پر چلتی رہتی ہے۔ مشکلات ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہیں خواہ وہ فقیر ہو یا بادشاہ صحت' بیماری' تنگی اور فراخی مشکلات اور آسانیاں یہ سب زندگی کا حصہ ہیں اور زندگی کے نشیب وفراز سے ہر شخص کو گزرنا ہوتا ہے خوش نصیب ہیں وہ جنہیں صحیح قوت ایمانی نصیب ہوتی ہے۔ یادرکھئے! ایمان وہ کامل ہوتا ہے جو بندے کو مجاہدے پر مجبور کردے ایمان کی قوت ہی بندے کو استعداد کار عطا کرتی ہے قرآن حکیم میں جہاں کہیں ایمان کا ذکر آیا ہے وہاں عمل صالح کی قید لگائی گئی ہے۔ اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت (الروم ١٥) گویا یہ ایمان کی خصوصیت ہے کہ وہ بندے کو عمل صالح پر مجبور کردے اور یہ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے کہ بندے کا عقیدہ درست ہو اسے قوت کار نصیب ہو اور بندہ زندگی میں اپنے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ لوگوں کی خیر خواہی میں خلوص کے ساتھ دوسروں تک دین کا پیغام پہنچائے ظلم وجور اور ناانصافی کے خلاف جدوجہد کرسکے اس کے لئے کم ازکم ارادہ تو ہو اور اپنی سی کوشش ہو۔ آپ کا اجتماع اس بڑے اجتماع میں خاص طور پر میں نے رکھوایا ہے اس لئے کہ بندے کو ایک طرف کا ہو کر ہی نہیں رہنا چاہیے بلکہ ہر پہلو سے اپنی ذات پر محنت کرنا چاہیئے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ بہت محنت مجاہدہ کرتے ہیں دین کی خاطر جان دینے کے لئے تیار ہیں اور بس یہی کافی ہے تو یہ درست نہیں۔ صحابہ کرام کی زندگیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں انکی زندگیاں مثالی ہیں جن کا دن گھوڑے کی پشت پر شمشیر زنی کرتے ہوئے گزرتا تو رات جاء نماز پر بسر ہوتی تھی جس قدر دنیوی مجاہدہ اور محنت کاروبار حیات پر ہوتی تھی اس سے زیادہ محنت عبادت اور ذکر اذکار پر ہوتی تھی۔ یہ تو مناسب بات نہیں کہ ہم ایک پہلو چھوڑ دیں اور دوسرے کو بہت زیادہ توجہ دیں۔

آپ دیکھتے ہی کہ بعض حضرات عبادات میں ہی زندگی بسر کرجاتے ہیں لیکن اُن کا دنیا میں ہونا یا نہ ہونا برابر ہوتا ہے اس لئے کہ اپنے گھر کے لئے اپنے اہل خانہ کے لئے روزی کمانا تو ایک معمول کا کام ہے جو ہر کوئی کرتا ہے اپنی ذات کیلئے کام کرنا تو ایک مجبوری ہے اور یہ کام تو ایک پرندہ اور ایک جانور بھی کرتا ہے پرندہ اپنا گھونسلہ بناتا ہے جتنا ممکن ہو بچوں کی حفاظت کرتا ہے انہیں جوان کرتا ہے اگر جانوروں اور پرندوں کی طرح ہی زندگی بسر کرنا ہے تو یہ کام تو معمول کا ہے کام تو اصل وہ ہے جس کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچے' انسانیت کو پہنچے' مسلمانوں کو پہنچے قوم وملک کو پہنچے اور ضروری نہیں کہ وہ بہت زیادہ ہو جتنا ہوسکتا ہے اتنا ہی کیا جائے لیکن کیا ضرور جائے۔ اس لئے کہ جو صرف اپنے بچے پالتے ہی چلے گئے اور اللہ کی مخلوق کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا انکی زندگی کو قرآن حکیم چوپایوں کی زندگی سے مشابہ قرار دیتا ہے۔

آپ بے شک خود کو جسمانی طور پر چاق وچوبند رکھنے کے لئے محنت کرتے ہیں جہاں ضرورت پڑے وہاں دین کی بھلائی کے کام کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ اپنی زندگی اور گھریلو ذمہ داریاں نبھاتے ہیں اس ضمن میں محنت کرتے ہیں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ ذکر اذکار اور مراقبات میں بھی آپ دوسروں سے پیچھے نہ رہیں بلکہ اُن سے آگے ہوں۔ آپ کو اس اجتماع میں ایک ہفتہ رکھنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ آپ یہاں کورسز میں شامل ہوں صبح وشام کے اذکار میں شامل ہوں مراقبات نصیب ہوں اور زندگی مکمل طور پر آگے بڑھے کسی پہلو سے اس میں کمی نہ رہے اللہ کریم آپ کو صحت دے ہمت دے خلوص دے آپ کی کوششیں قبول فرمائے آپ کوشش کریں کہ ہمہ پہلو ترقی نصیب ہو۔

یہ بات یاد رکھیں! کام کرنے آسان نہیں ہوتے بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو لوگ اللہ کے بھروسے پر کام کرتے ہیں ان کے لئے مشکلیں مشکل نہیں رہتیں اللہ کریم ہمت بھی دیتے ہیں، حوصلہ بھی دیتے ہیں اور قوت برداشت بھی دیتے ہیں مشکلیں از خود آسان ہوتی چلی جاتی ہیں۔

بندے کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ اسے کوئی مشکل ہی پیش نہیں آئے گی ہر شخص کا اپنا ایک مقام ہے اپنا ایک وجود ہے اسکی ذات اسکے مقام اور اسکے مرتبے کے مطابق اس پر مشکلات بھی آتی ہیں تکلیفیں بھی آتی ہیں دکھ اور بیماریاں بھی آتی ہیں ان سب کے ہوتے ہوئے خلوص کے ساتھ دین کے لئے، اللہ کے لئے، اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے لئے، اسلام کی ترویج کے لئے یہ حقائق دوسروں تک پہنچانے کے لئے محنت کرنا بہت سعادت کی بات ہے یہ اللہ کا کرم ہے کہ کس کو توفیق عطا کر دے میری دعا ہے کہ اللہ کریم آپ کو ہر شعبے میں آگے رکھے سبقت دے اپنی رضا اور اپنا قرب نصیب کرے۔ آمین

.............☆☆☆.............

اِنا للہ وانا الیہ راجعون

درج ذیل احباب اور انکے عزیز واقارب دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

☆ ......سلسلہ عالیہ کے صاحب مجاز ساتھی ملک مختار احمد اعوان (پنڈی گھیب، اٹک) خالق حقیقی جا ملے ہیں۔

☆ ......سیالکوٹ (ڈسکہ) کے ساتھی طارق محمود کے دادا جان۔

☆ ......سیالکوٹ (ڈسکہ) کے ساتھی مختار احمد کی ساس۔

☆ ......لاہور کے ساتھی صوبیدار نذیر احمد کی پھوپھی جان۔

☆ ......گوجرہ کے ساتھی حافظ فاروق احمد کے والد محترم۔

☆ ......سرگودھا کے ساتھی محمد امجد کی والدہ۔

☆ ......لاہور کے ساتھی محمد لطیف (فائن گیس والے) کا بھانجا عبید علی

☆ ......لاہور کے ساتھی محمد افضل کے سسر۔

☆ ......صوابی کے ساتھی جمشید احمد کے بھائی خورشید احمد۔

☆ ......قاری آفتاب احمد (دارالعرفان منارہ) کی والدہ۔

☆ ......اسلام آباد کے ساتھی رحمت علی کی زوجہ۔

☆ ......کوئٹہ کے ساتھی لالہ محمد اشرف کے چھوٹے بھائی۔

☆ ......سیالکوٹ (سمڑیال) کے ساتھی محمد عباس کے والدین۔

☆ ......لاہور کے ساتھی ماسٹر واجد علی

☆ ......نوشہرہ کے صاحب مجاز ساتھی عبداللہ جان کی ہمشیرہ

☆ ......ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ساتھی ذیشان امجد کے والد ماسٹر محمد امجد

اللہ تعالی مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے

اللّٰہ والوں کی زندگی

تاریخ گواہ ہے کہ اللہ والوں کے لئے یہ دنیا بھی ایک جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح ان کی زندگی کا برزخ یا آخرت کی زندگی کے ساتھ بھی گہرا ربط ہوتا ہے۔ دنیاوی زندگی کی انتہا برزخ کی زندگی کی ابتداء ہے۔ جس طرح ہماری اخروی زندگی تعمیر ہو رہی ہے اس کے اثرات یہاں بھی پہنچتے رہتے ہیں، براہ راست نہ سہی بالواسطہ ضرور منتقل ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بدکار شاہی محل میں بیٹھ کر بھی تڑپتا ہے اور اللہ کا اطاعت گزار بندہ جھونپڑی میں بھی مطمئن و مسرور رہتا ہے۔

ماخوذ از" کنز الطالبین"

منجانب

ایچ۔ ایم۔ بی سنز کراچی

اپنے اندر کی ریاست کے خودکش حملے

بنتِ سیماب

اکرم التفاسیر کی دوسری جلد کے صفحات 114 تا 122 میرے سامنے تھے حضرت شیخ المکرّم مدظلہ' تفسیر وتشریح فرمارہے تھے آیت کریمہ تھی رمضان المبارک اور روزے کی فضیلت کے بارے سورۃ البقرہ کی آیات 182 تا 185 صاحب تفسیر فرمارہے تھے "روزہ اطاعت الٰہی کا اور اللہ کے موجود ہونے پر یقین کا ایک نمونہ ہے Symbol ہے جس طرح عام زندگی میں اللہ پاک نے حکم دیا ہے کہ ناجائز طریقہ سے کما کر نہ کھاؤ' چوری کا نہ کھاؤ' زبردستی کا نہ کھاؤ' حرام چیز نہ کھاؤ' حلال چیز کھاؤ' اس رب نے اس ایک مہینے میں ایک خاص وقت تک کے لئے حلال کھانے پینے سے بھی روک دیا مقصد یہ ہے کہ ایک مہینہ یہ کورس ہو جائے کہ وہ چیز کھانی ہے اللہ جس کی اجازت دے اور جس کی اللہ اجازت نہ دے وہ نہیں کھانی۔ حرام نہیں کھانا' دوسرے کا مال نہیں کھانا' کسی کو لوٹنا نہیں' رشوت نہیں لینی' چوری نہیں کرنی' یعنی اللہ کے ساتھ ہمارا ایسا تعلق ہے کہ جب وہ حلال سے روک دیتا ہے تو ہم حلال بھی نہیں کھاتے تو جن چیزوں سے اس نے عمر بھر کے لئے روک دیا ہے حرام کر دی ہیں' ان کے کھانے کا کیا مقصد! اس طرح جن کاموں کے کرنے سے منع فرما دیا ہے انہیں کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

صاحب تفسیر کے الفاظ کی برکات اپنے دل پر گرتی محسوس کیں سوچنے لگی کہ کیا رمضان المبارک کا جو مقصد ہے وہ مجھے حاصل ہوا ہے یعنی اللہ سے تعلق' کیا واقعی یہ کورس کرنے کے بعد رمضان المبارک میں منع کئے گئے کاموں کے کرنے سے مجھے شرمندگی ہوتی ہے کیا میں لڑائی' جھگڑے' بدزبانی' ناجائز کاموں' دل آزاری سے رکی' شیخ المکرّم فرمارہے تھے کہ "رمضان المبارک کی اپنی خاص برکت بھی ہوتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک عام آدمی جو پارسا نہیں ہے خطا کار ہے لیکن جب روزہ رکھ لیتا ہے تو اسے اللہ کے قریب ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ جنگل میں چرواہا ہو یا سخت گرمی میں گھروں کی چار دیواری میں ٹھنڈا پانی میسر ہونے کے باوجود انسان کوئی ایک قطرہ پانی نہیں پیتا' پیاس برداشت کرتا ہے۔ کیوں؟ رمضان شریف کی برکت سے اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ میرا اللہ دیکھ رہا ہے، میرے پاس ہے۔ تو روزے کا مقصد یہ ہے کہ رمضان کے علاوہ باقی کے گیارہ ماہ میں بھی باقی زندگی میں بھی اپنے اللہ کو اپنے ساتھ سمجھیں ایک ماہ کی تربیت کا حاصل یہ ہے کہ رمضان المبارک گزر جائے تو ہم اللہ کو اپنے ساتھ محسوس کریں۔"

یعنی اللہ کریم کے قرب کا نتیجہ میرے کردار میں تبدیلی ہوگی۔ دماغ تیزی سے سوچ رہا تھا' دل فکر میں ڈوبا تھا مگر رمضان المبارک میں اور اسکے بعد بھی چوری' ڈاکہ' قتل وغارت گری' آبروریزی ہر طرف ظلم' کرپشن اسمیں تو فرق نہیں آیا عام دنوں میں تو شیطان بہکاتا ہے رمضان المبارک میں تو شیطان بھی بند ہے پھر یہ ظلم' یہ قتل وغارت گری کیوں؟ اور یہ تو وہ ظلم ہیں جو Media میں دکھائے جا رہے ہیں وہ مظالم جو ہر فرد دوسرے پر روا رکھے ہوئے ہے جیسے حق

تلفی، گالم گلوچ، مار پیٹ، چغلی، منتقم المزاجی، جو ہر گھر میں دوسروں سے روا رکھی جا رہی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

فرمایا! "اسکی وجہ یہ ہے کہ انسانوں نے شیطان کا روپ دھار لیا ہے انسان شیطان بن گئے ہیں۔ رمضان المبارک میں اسکا علاج اللہ کریم نے تجویز فرمایا کہ انسان شیطان نہ بنے اور جو رنگ وہ شیطان کا گیارہ ماہ میں قبول کر چکا ہے وہ رمضان المبارک کی برکات سے دھو دیا جائے۔ اسی لئے اللہ کریم نے رمضان المبارک میں شیاطین قید کر دیئے، عبادات کا اجر کئی گنا بڑھا دیا۔ رحمت الٰہی کے دروازے کھول دیئے کہ ہے کوئی مانگنے والا، جسے بخشا جائے، اور اس پر مزید یہ ہے کہ اس ماہ کا ایک روزہ یا قیام زندگی بھر کے گناہوں کو دھو دیتا ہے۔" مزید فرمایا "اب میرے پاس پہچان کیا ہے کہ میرے گناہ معاف ہو گئے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو گہرا زخم لگا ہو اور پھر وہ بھر جائے تو زخم بھرنے کے بعد بھی وہ جگہ زیادہ حساس ہو جاتی ہے آپ وہاں انگلی رکھیں تو درد محسوس ہوتا ہے گناہ معاف ہوں تو پھر گناہ کرنے سے ڈر لگتا ہے گناہ چاہے جتنے کر چکا خلوص نیت سے توبہ کرے تو ایک روزہ سارے گناہ معاف کرانے کے لئے کافی ہے، ایک رات کا قیام زندگی بھر کے گناہ معاف کرانے کے لئے کافی ہے۔ لیکن ہم کیسے لوگ ہیں کہ 30,30 روزے رکھ کر، مہینہ بھر راتوں کو قیام کر کے رمضان المبارک کے بعد بھی ویسے کے ویسے ہوتے ہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر چور چوری سے باز نہیں آتا جھوٹا جھوٹ بولنے سے، لڑنے والا لڑائی سے باز نہیں آتا تو بڑی بدنصیبی ہے۔ مگر یہ سب کیسے ہو؟ فرمایا

"رمضان کے بعد اپنا جائزہ لینا چاہیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا من صاما رمضان ایماناً و احتساباً o جس نے رمضان کا روزہ اس ایمان و یقین کے ساتھ رکھا کہ اللہ میرے پاس موجود ہے تو ایک روزہ کتنی عجیب قوت پیدا کر دیتا ہے! تنہائی میں بھی، رات کی تاریکی میں بھی، اندھیرے کمرے میں بھی بندے کو احساس ہوتا ہے کہ میرا اللہ میرے پاس موجود ہے۔ وہ پانی کا گھونٹ نہیں پیتا کہ اللہ کی اجازت نہیں ہے پھر وہ بندہ چوری کیسے کرتا ہے۔ بُرائی کیسے کرتا ہے۔ قتل کیسے کرتا ہے! وہ بھول جاتا ہے کہ میرے پاس میرا اللہ موجود ہے یا اللہ دیکھ رہا ہے تو یہ محض ایک مشقت نہیں ڈالی گئی نہ روزی بچائی گئی کہ دن بھر لوگ بھوکے رہیں۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ رمضان شریف میں ہر گھر کا خرچ بڑھ جاتا ہے۔ عام دنوں میں لوگ اتنا خرچ نہیں کرتے جتنا سحری و افطاری پہ کرتے ہیں۔ کھانا تو ہم زیادہ جاتے ہیں روزی بچتی تو نہیں ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ حضور حق نصیب ہو جاتا ہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے میرے پاس موجود ہے اور ایک لمحے کا حضور حق زندگی بھر کے گناہ معاف کرا جاتا ہے، جن کے گناہ معاف ہوتے ہیں انہیں ایک احساس عطا ہو جاتا ہے کہ پھر گناہ کرنے سے ڈر لگتا ہے اور اللہ کی اطاعت میں آ جاتے ہیں اور یہی اسکا مقصد ہے۔ لعلکم تتقون تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ تم نیک بن جاؤ۔ تمہیں اللہ کے قرب کا احساس ہو جائے۔ روزہ رکھنے کا مقصد بھی یہ ہے کہ اس طرح زبان کا روزہ ہے کہ جھوٹ نہ بولے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم روزے سے ہو اور کوئی تمہیں گالی دیتا ہے تو جواب میں گالی نہ دو۔ اسے کہو میں روزے سے ہوں تم نے تو گالی دے لی لیکن میرا روزہ ہے میں زبان کو آلودہ نہیں کرنا چاہتا بُری بات نہ کہو، بُرا سوچو نہیں، بُرائی کا ارتکاب نہ کرو۔ اور کم از کم اس ایک مہینے کی جو ایکسرسائز ہے اسے گیارہ مہینے چلاؤ تو پھر رمضان المبارک نصیب ہو جائے گا یہ مہینہ صرف روزوں کا نہیں حقیقتاً تبدیلی کا مہینہ ہے ایک بھٹی ہے جس میں سونے کو ڈالا جاتا ہے تو اس سے سارا کھوٹ نکل جاتا ہے اور وہ صاف ستھرا ہو جاتا

ہے اس لئے بندہ مومن کے لئے یہ مہینہ ایک بھٹی کی طرح ہے جس میں سے وہ کندن بن کر نکلتا ہے۔"

یہ تو ساری رمضان المبارک کی برکات تھیں پھر باقی عبادات کا حاصل کیا ہے؟ فرمایا!

"انسان کی عبادت کا حاصل حسن عمل ہے' اخلاقیات' حسن اخلاق کو اس سے زیادہ توجہ دی جانی چاہیے جتنی توجہ اذکار' عبادات' نوافل' تلاوت پر دی جاتی ہے سورۃ العنکبوت آیت ۴۵ میں ارشاد ہے ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر۔ نماز بُرائی اور بے حیائی سے روک دیتی ہے۔ فرمایا" اگر ہم بُرائی یا بے حیائی کی فہرست بنائیں کہ کون سے امور اس زمرے میں آتے ہیں تو دنیا میں سب سے بڑی بُرائی کیا ہوگی؟ حضرت مدظلہ' العالی کی رائے کے مطابق" مسلمان کے لئے نبی کریم ﷺ کی پسند کے خلاف سوچنا بھی بے حیائی اور بُرائی ہے اخلاقیات دین کا وہ شعبہ ہے جس کی تکمیل کے لئے حضور ﷺ کو مبعوث کیا گیا اور جس چیز کو' جس رویے کو' جس طرز عمل کو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ حسن اخلاق ہے لہٰذا آپ ﷺ کی پسند کا خیال رکھنا بجائے خود عبادت ہے اور جو کام بندہ حضور ﷺ کے طور طریقے سے ہٹ کر کرتا ہے اس میں پریشانی کا آنا لازم ہے اسکی اصلاح کرنا ہی پریشانی کا حل ہے" تو ان امور کو ملحوظ رکھنا کہ بات کس طرح کرنی ہے؟ کس طرح ملنا جلنا ہے؟ ملنے کے اوقات کیا ہیں؟ دوسروں کے آرام کو انکے کام کے اوقات کو ملحوظ رکھنا بجائے خود نیکی ہے ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص سو رہا ہے دوسرا اسے جگا کر پوچھتا ہے آپ سو رہے تھے؟ یہ بظاہر معمولی بات' زیادتی ہے۔ بعض اوقات ہم ایسا مذاق کرتے ہیں کہ اگلے کی توہین ہوتی ہے۔ مذاق کی بھی حدود متعین ہیں کہ مزاح وہ جائز ہے جس میں نہ تو کسی کی توہین کا پہلو نکلتا ہو اور نہ کسی کی دل آزاری ہو۔"

اس قدر باریکی سے عبادات کی اہمیت' نماز کے اثرات کا اتنا تفصیلی اور مختلف جائزہ میری نظر سے پہلے نہ گزرا تھا۔ گویا مجھے اپنی نماز کی درستگی کا جائزہ اس طرح لینا تھا کہ کیا میں نے اپنی زندگی کے ہر عمل میں اپنے نبی ﷺ کی منشاء کو مقدم رکھا؟ دوسروں کے ساتھ اخلاقیات کی حدود میں رہ کر میل جول کیا؟ کیا میں نے دوسروں کے ملنے جلنے کے اوقات میں' ان کے اوقات' ان کے آرام کا خیال رکھا؟ کیا میں نے دوسروں کی دل آزاری سے اجتناب کیا؟ کیا حسن خلق اور حسن عمل کو اختیار کیا؟ خدا کی پناہ! اپنے جائزے سے دل کانپ گیا اس طرح تو نماز کے اثرات ہمیں نہ بتائے گئے تھے نہ یہ بتایا گیا تھا کہ نماز قبول ہونے کا پتہ چلے۔ ہمیں تو یہ بتایا گیا تھا کہ اس کے پڑھنے کا بڑا ثواب ہے مگر ثواب کیسے؟ یہ پتہ نہ تھا۔

اب دل میں سوالات اُٹھ رہے تھے تو پھر اس طرح دوسری عبادات جیسے زکوۃ اور حج کا بھی تو زندگی پر اثر ہوگا' ہاں! زکوۃ' ضرورت سے زائد مال کا ایک سال گزرنے پر ۴۰ واں حصہ نکال دینا مال کو پاک کر دیتا ہے اور یہ پاکیزہ مال جسمانی وروحانی زندگی کی صحت کا ضامن ہے مگر مال دینا کس قدر مشکل کام ہے ہم میں سے اکثر نے تو فکسڈ ڈیپازٹ میں رقم رکھ دی ہے تا کہ سود ملتا رہے۔ رقم بڑھتی رہے معلوم ہوا ہے کہ سود اتنی بُری اور بڑی بُرائی ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کا سودخوروں کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ سود ارتکاز دولت کا سبب ہے۔ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں پہنچ جاتی ہے اور زکوۃ سے مال ملکی معیشت کی رگوں میں رواں دواں رہتا اور اسکی تقویت کا باعث بنتا ہے۔ معاشرے کے غیر مراعات یافتہ طبقوں کی محرومیوں کا ازالہ کرتا ہے۔ محرومیاں انسان کی نفسیاتی' جسمانی اور روحانی صحت پر شدید اثرات مرتب کرتی ہیں۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے پھر وہ تشدد' جرائم' قتل وغارت

گری کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اگر زکوۃ سے اس محروم طبقے کو بھی ان کی ضروریات مہیا کی جائیں تو معاشرے کی جرائم سے حفاظت ہو اور ایک پاکیزہ اور پرامن معاشرہ تشکیل پا جائے اور حج تو اللہ کریم سے قرب کا وہ تعلق قائم کرتا ہے کہ گناہ دھل کر انسان ایک پیدا ہونے والے بچے کی طرح معصوم ہو جاتا ہے جسے دنیا کی آلودگی سے پاک کر دیا جاتا ہے مگر جب وہ حق کو دیکھ لیتا ہے اور اسکا دل گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے تو پھر حج سے واپسی پر وہ رشوت کیوں لیتا ہے' چوری' بدزبانی' بے حیائی کیوں کرتا ہے۔

فرمایا "لوگ دل تو یہاں چھوڑ دیتے ہیں جسم کو کعبہ میں گھما پھرا لاتے ہیں دل دنیا میں اٹکا ہے اور جسم طواف کر رہا ہوتا ہے یا حج کو سیرو تفریح یا شاپنگ کا موقع بنا لیا جاتا ہے۔ دل اللہ کے حضور میں حاضر ہی نہیں ہوتا کہ وہ تجلیات باری وصول کر سکے اسکی رحمتوں سے حصہ پا سکے۔ تو پھر صاف کیسے ہو؟ پاک کیسے ہو؟ خواہشات نفس اسمیں سے کیسے نکلیں' یہی وجہ ہے کہ ۳۵ سے ۴۰ لاکھ حاجی ہر سال حج کرتے ہیں۔ تمام دنیا سے شامل ہوتے ہیں مگر حج میں اللہ کے قرب کے نتیجے میں کردار کی جو مضبوطی' عقیدے اور عمل کی جو درستگی اور ایمان کی پختگی حاصل ہونا چاہیے وہ حاصل نہیں ہوتی کیا یہی وجہ ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے قرآن حکیم میں مومنین کو جو یہ بشارت دی گئی ہے کہ ایک مسلمان دس کافروں پر بھاری ہوگا ورنہ کم ازکم دو کا مقابلہ تو کرے گا۔ اس کے مصداق لوگ نظر نہیں آتے اور ساری کافر دنیا مل کر مسلمانوں کو ہر جگہ رگید رہی ہے اس لئے کہ ہم اپنے آپ سے غافل ہیں عبادت کی اہمیت اور افادیت سے آگاہ نہیں اپنے کردار کو نبی کریم ﷺ کے دیئے Standard سے نہیں ماپتے۔"

حضرت مدظلہ العالی کی کھری اور حق باتیں دل کو نرم کر رہی تھیں ایک احساس پیدا کر رہی تھیں' سوچ و کردار کے بدلنے کے لئے محنت کا' رمضان المبارک کی برکتوں کے ادراک کا اور عبادات سے فائدہ اٹھانے کا۔ اگر بندہ عبادات کی برکات سے کندن بن کر نکلتا ہے اور مثالی انسان ثابت ہوتا ہے تو کیا دنیا کی ایک تہائی آبادی دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے کافی نہیں۔ ہم کس قدر کھوٹے لوگ ہیں ہم نے عبادات کو ایسے نہیں سوچا۔ روزے اس احساس کے ساتھ نہیں رکھے کہ میں اپنے اللہ کے قریب ہو جاؤں' نماز اس لئے نہیں پڑھی کہ بے حیائی اور بُرائی سے بچ جاؤں، زکوۃ اس لئے نہیں دی کہ مال کی پاکیزگی سے روحانی پاکیزگی حاصل کروں' حج اس لئے نہیں کیا کہ قرب الٰہی حاصل کر کے' گناہوں سے پاک ہو کر اسکا بندہ بن جاؤں اور اس کے بندوں کے لئے مفید بن جاؤں ہم اپنی قدر و قیمت سے واقف ہی نہیں، کیا دنیا کی ایک تہائی آبادی میں ہم ایمان کے دعوے دار اللہ کے ساتھ پر یقین رکھتے ہیں، کیا ہمیں اللہ کے حاضر و ناظر ہونے پر یقین ہے۔ کیا ہم اپنی شیطنت جو ہم میں رچ بس گئی ہے سے چھٹکارا پانے کے لئے فکر مند ہیں۔ یہ سب کیسے ہوگا ایک دم حضرت امیر المکرم مدظلہ العالی کا فرمان بجلی کی طرح دل میں کوندا "۔ ہم اس لئے درست نہیں ہوتے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرا ٹھیک ہو۔ ہم اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتے دوسروں کی اصلاح کی فکر میں دبلے ہوئے جاتے ہیں۔" آج مجھے احساس کرنا ہے کہ کیا رمضان المبارک کی برکت حاصل کر کے' نماز سے حفاظت الٰہیہ' زکوۃ سے مال کی پاکیزگی اور حج سے قرب الٰہی حاصل کر کے میں نے اپنے فرائض کی بجا آوری شروع کی؟ کیا میں نے اپنے وعدے پورے کرنے شروع کئے؟ کیا میں نے جھوٹ' دل آزاری بند کی۔ کیا میں نے طنز کے نشتروں سے دوسروں کا کلیجہ چھلنی کرنا بند کیا؟ کیا میں نے چغلی نہ سننے' نہ کرنے کا عہد کیا؟ کیا میں نے اللہ

کے قرب کا احساس کرتے ہوئے بے حیائی ترک کی؟ کیا میں نے بے ہودہ گوئی اور بدزبانی ترک کی؟ اور کیا ان سب کاموں کے بدلے میں نے سچ' عدل' ایثار وقربانی' محبت و پیار' خلوص' دلوں کو جوڑنے کے رویے کو اختیار کیا؟ ہاں! مجھے دیکھنا ہے کہ کیا میں نے ایسا کیا کہ ایماناً واحتساباً کی شرط پوری ہوئی۔

عبادات کا کم از کم حاصل کیا ہے کہ انسان اس ایک وجود کو جس پر اسکا اختیار ہے کو مثبت راستوں کا مسافر بنا دے۔ منفی سے ہٹ جائے۔ اپنے کردار سے ایک مفید اور مثبت اور صحت مند ماحول کی بنیاد فراہم کرلے۔ اگر میں نے ایسا کرلیا تو شیخ المکرّم مدظلہ العالی کے مطابق میں نے اپنے نفس کے شر کا حصہ معاشرے سے نکال دیا اور اگر ہم صرف اس فرد واحد یعنی اس ایک یونٹ ''میں'' پر کام کریں تو ہر یونٹ مل کر ایک صحت مند معاشرہ تشکیل پا جاتا ہے اور

پھر بقول علامہ اقبال ایسا ہوتا ہے

کہ ''ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ''

پورا اسلامی معاشرہ ایک جگمگاتی کہکشاں کی صورت اختیار کر جاتا ہے آج ہم جس شرانگیزی اور فرعونیت کا شکار ہیں اس میں ہمیں اپنے نفس سے بات کرنا ہوگی مجھے دیکھنا ہوگا کہ میرے اپنے گھر' میری ریاست میں تو ''خودکش حملے'' نہیں ہو رہے۔ آپ ﷺ کے اتباع سے ہٹ کر چھوٹے سے چھوٹا کام ہماری اندر کی دنیا میں ایک ''خودکش حملے'' کا کام کرتا ہے مجھے دیکھنا ہے کہ کیا میں نبی کریم ﷺ کے راستے سے ہٹ کر اپنے اور دوسرے کے لئے فائدہ مند ہوں اگر نہیں تو پھر ابھی وقت ہے سانسیں باقی ہیں مہلت موجود ہے مجھے اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔ ہر وہ راستہ جو نبی پاک ﷺ کے راستے سے ہٹ جائے تباہی و بربادی کا راستہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ فیصلہ میرا ہے اور صرف میرا کہ میں اپنے اندر کی ریاست کے ''خودکش حملے'' بند کرنا چاہوں گی یا نہیں۔ اسی فیصلے پر میری دنیا اور میری آخرت دونوں کی بقاء کا انحصار ہے اور کامیابی کا بھی۔

.......☆☆☆.......

.......☆☆☆....... ....☆☆☆.......

نعت

یا الٰہیٰ نعت گوئی میری سانسوں میں بسے
موت کی دہلیز تک نہ تشنگی کم ہو سکے
جیسے استسقا میں کوئی ہو گیا جب مبتلا
پی کے پانی کے سمندر تشنہ لب ہی مر گیا
خود کرے تعریف جس کی خالق ارض وسما
ایک مشتِ خاک سے ہو کیسے اس کا حق ادا
نعت لکھنا سیکھ لوں میں آپؐ کے اصحابؓ سے
اپنی شہ رگ کے لہو سے جو اسے لکھتے رہے
نقشِ پائے مصطفےٰ پر چلتے تھے جو سر کے بل
آپؐ کے لعاب دہن کو منہ پر لیتے تھے گل
گلشنِ اسلام کی گہنا گئی اب آب وتاب
کہ لگے اس کی بحالی ایک دیوانے کا خواب
ہے یقین ہم کو مگر کہ اب خزاں ہو گی فرار
پھر کھلیں گی پھول کلیاں پھر سے آئے گی بہار
تو نفاذِ دین کی خاطر کر اویسی ہر جتن

☆ ....انجینئر عبدالرزاق اویسی

شیخ المکرم بطور ماہر معاشیات

منیر ایاز

بالعموم کہا یہ جاتا ہے کہ ایک صوفی کو بھلا معیشت جیسے مادی موضوع سے کیا سروکار لیکن حقیقی صوفی دانائے راز ہوتا ہے اور دانائے راز اسے کہتے ہیں جس کے پاس قرآن وسنت کی روشنی میں فرد کے انفرادی مسائل سے لے کر قوموں کے اجتماعی مسائل تک ہر ایک مسئلے کا کافی وشافی حل موجود ہو۔ اس مضمون میں حضرت شیخ المکرم مدظلہ کا تعارف بطور "ماہر معاشیات" پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں لیکن آگے بڑھنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ آئندہ سطور میں بکھرے ہوئے پھول راقم نے شیخ المکرم مدظلہ کی ذاتی محفلوں کے گلزار صد رنگ سے چنے ہیں اس لئے آپ کو کوئی کتابی حوالہ نہ مل سکے گا۔

معاشیات کا مجھ جیسا ادنیٰ ترین طالب علم بھی جانتا ہے کہ علم معاشیات کی دو بنیادی شاخیں مائیکرو (Micro) اور میکرو (Mecro) اکنامکس کہلاتی ہے۔ مائیکرو اکنامکس صارف اور پیدا کنندہ یا بالفاظ دیگر طلب و رسد سے متعلقہ سوالات اور مسائل پر بحث کرتی ہے۔ اس ضمن میں فرمایا "1۔ تاجر، دکاندار کو چاہیے کہ خریدتے وقت کم از کم قیمت خرید پر اچھی سے اچھی اشیاء خریدے تاکہ منڈی میں مقابلہ کی حالت میں زیادہ سے زیادہ اشیاء فروخت کر کے زیادہ منافع کما سکے۔

2۔ فروخت کنندہ کو چاہیے کہ اگر منافع ہو رہا ہو تو اشیاء کو فروخت کر دے خواہ یہ منافع کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ زیادہ منافع کے لالچ میں اشیاء کو روک کر بیٹھ نہ جائے۔ بیچ کر مزید لائے پھر بیچے تاکہ منافع پر منافع کمائے۔ اس سے اگر ایک طرف اشیاء کی قلت پیدا نہ ہوگی تو دوسری طرف سرمایہ کی گردش بھی نہ رکے گی اور فروخت کنندہ ہمہ وقت سرمایہ، اشیاء اور نتیجتاً منافع کے رکنے کے جان لیوا عذاب وانتظار سے نجات حاصل کر کے، مزید تعمیری کام کرسکنے کے قابل ہوگا۔"

بش سینئر کے زمانے میں جب کویت سے عراقی قبضہ چھڑوانے کیلئے امریکی فوجیں خلیج میں داخل ہوئیں تو حضرت جی نے فرمایا "اب امریکی معیشت بیٹھ جائے گی" چند الفاظ پر مشتمل ایک جملے میں سمویا ہوا یہ تبصرہ ماہرین معاشیات پر بجلی کی طرح نازل ہوا۔ ایک عالم مبہوت ہو کر رہ گیا کہ بھلا امریکہ جیسی مضبوط معیشت بھی تباہ ہوسکتی ہے۔ کسی نے پوچھا "حضرت! کیا کسی الہام کی روشنی میں فرمائے یا ویسے ہی رواداری میں کہہ ڈالا؟" فرمایا "نہ ہی الہام ہے اور نہ ہی رواداری۔ صاف ظاہر ہے کہ امریکہ نے اس جنگ کے اخراجات انتہائی بھاری شرح سے خلیجی ممالک سے وصول کرنے کا اعلان کیا ہے جس کے لئے خلیجی ممالک نے چیک یا شاہی فرامین کی صورت میں صرف کاغذ کا ایک پرزہ ہی امریکہ کو تھمانا ہے۔ جبکہ اصل زر امریکی معیشت ہی سے نکلنی ہے جو کہ امریکی بنکوں میں پہلے ہی سے زیر گردش ہے تو گویا اصل نقصان حقیقی طور پر امریکی معیشت ہی کو ہوگا۔ جو انتہائی بھاری شرح معاوضہ پر اس جنگ کی ہولناکیوں کو برداشت کرتے ہوئے بالآخر چکنا چور ہو کر ختم ہو جائے گی"۔ قارئین کرام بش جونیئر کے زمانے میں دنیا نے اس دیدہ ورکی معاشی بصیرت کا عملی مظاہرہ کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ متعدد قدیم بنک مالیاتی ادارے دیوالیہ ہو کر ماضی کا حصہ بن چکے ہیں اور پوری معیشت پر جانکنی کی کیفیت طاری ہے۔ بش جونیئر کی پالیسیوں کے بارے میں فرمایا کہ "افغان جنگ کے اخراجات کے نتیجے میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں شامل ریاستیں اپنا حصہ ادا کرنے سے انکار کر دیں گی جس کی صورت میں امریکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر تاریخ کی کتابوں کی زینت بن جائے گا"

دانائے راز کی دور بین نگاہیں ہی میکرو اکنامکس کے اس عظیم ترین Vision کا نظارہ کرا اور کرواسکتی ہیں۔

درج بالا سطور میں مائیکرو اور میکرو اکنامکس کی کچھ جھلکیاں ہم نے دیکھی ہیں۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ حضرت جی کا فلسفہ معیشت کیا ہے۔ معاشی نظام کے طور پر حضرت جی مدظلہ اسلامی معاشی نظام کا نفاذ چاہتے ہیں جو کہ سود سے پاک ہے۔ اس میدان میں ضمنی طور پر بنکوں کے ذریعے بلا سودی کھاتوں کا اجرا جو کہ ضیاء الحق کے زمانے میں ہو حضرت جی ہی کی ترغیب و ترہیب پر ہوا تھا۔ ایک سال بعد جب حساب ہوا تو ملک کے تمام بنکوں کے صدور سر جوڑ کر ہی نہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ اتنا زیادہ منافع بلاسودی منصوبہ جات میں ممکن ہی کیونکر ہوا۔ اور اگر ہو بھی گیا ہے تو اس کا اعلان کیسے کیا جائے کہ پوری قوم صرف انہی کھاتوں پر ہی ٹوٹ پڑے گی اور دوسرے سودی منصوبے جو کہ پہلے ہی سے زیر عمل تھے دھڑام ہو جائیں گے یوں بالآخر کم منافع کا اعلان کیا گیا اور رفتہ رفتہ بلا سودی کھاتے ختم ہی کر دیئے گئے۔ وائے افسوس قوم کے منصوبہ گروں نے قوم کو ایک بار پھر پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔

سودی بنکاری کے ضمن میں حضرت جی فرماتے ہیں کہ "پاکستان بننے کے بعد آج تک بنکوں نے کھاتہ داروں کو اتنا سود نہیں ادا کیا جتنے قرضے معاف کئے ہیں پھر بھی شاندار عمارتوں، بڑی بڑی گاڑیوں اور بہترین مشاہروں پر کام کرنے والا عملہ لئے ہوئے تمام بنک لگاتار کام کرتے چلے آرہے ہیں تو پھر بنکوں کیلئے سود لینا اور دینا ناگزیر کیوں ٹھہرتا"۔ یہاں پہنچ کر حضرت جی فرمایا کرتے ہیں کہ "بنکوں کا اصل کاروبار سرمایہ کاری کے مختلف منصوبوں کی وجہ سے جاری و ساری ہے سود لینے اور دینے سے نہیں اس لئے بنکاری کا نظام بغیر سود کے بھی پہلے سے بہتر طور پر چل سکتا ہے"۔ اسلام کے فلسفہ معیشت پر حضرت جی مدظلہ کا واضح اور دوٹوک موقف یہ ہے کہ دنیا کا واحد نظام معیشت اسلامی نظام معیشت ہی ہے جس میں سرمائے کا بہاؤ اوپر سے نیچے کی طرف ہے یعنی اسلامی نظام معیشت زکواۃ کی صورت میں امیر سے زر وصول کر کے غریب کو عطا کرتے ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دینے والے تو ملتے ہیں لینے والا کوئی نہیں ملتا۔

حضرت جی کے ذاتی کاغذات میں اعداد و شمار (Fects and Figure) کی بنیاد پر ملک پاکستان کیلئے ایک سال کے مثالی بلاٹیکس (Tex Free) بجٹ کا خاکہ موجود ہے جس میں ملک کے کسی بھی شہری پر بشمول انکم ٹیکس وغیرہ وغیرہ کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں۔ سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں کی فیسوں کی بغیر جملہ سہولیات کی فراہمی سمیت ہر قسم کے اخراجات خواہ وہ تعمیراتی ہوں یا انتظامی فراہم کرنے کی ضمانت موجود ہے۔ یہ بجٹ صاحب نصاب افراد اور اداروں سے صرف ڈھائی فیصد کی شرح سے صرف ایک وصولی بطور زکوٰۃ لیتا ہے جو کہ پورے بجٹ کے تمام اخراجات جاریہ وغیرہ سے زیادہ بنتا ہے۔ یوں یہ بجٹ نہ صرف ٹیکس فری ہے بلکہ بچت پر مشتمل ہے۔ کوئی سنے اور سن کر عمل کرنے والا اگر ہے تو اس کیلئے حضرت جی کا اعلان عام ہے کہ تم کردو ہم من حیثیت الجماعت تمہارے بلاتنخواہ سپاہی ہیں۔ قارئین کرام یہ ہے ہمارے حضرت جی مدظلہ کی ہمالیائی شخصیت کے صرف ایک پہلو کی ایک ہلکی سی جھلک دنیا جن کو مولانا اکرم اعوان کے نام سے جانتی ہے۔ اقبال بھی اپنی اس نظم میں اسی امام برحق کا متلاشی و متمنی ہے۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بے زار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

جسمانی و نفسیاتی بیماریوں کا علاج

پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف چوہدری
کنسلٹنٹ سائیکاٹرسٹ / سابقہ پروفیسر آف سائیکاٹری

مذہب انسانی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسلام تو دینِ فطرت ہے اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جس میں ہر دور کے انسانوں کی رہنمائی کیلئے تعلیمات موجود ہیں اور یہ مسلمانوں کیلئے زندگی گزارنے کا سرچشمہءحیات ہے۔

صحت اور بیماری کی حالت میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا اور اسی سے صحت یابی کی دعا کرنا قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ اطّبیبُ اور ہر قسم کی شفا اسی کی طرف سے ہے۔ سورۃ الشعراء آیت نمبر ۸۰ میں حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرمایا: وَاذا مَرِضتُ فھُوَ یَشفِین ط جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا بخشتا ہے۔

احادیث میں حضرت ابراہیمؑ سے منسوب ایک واقعہ ملتا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ رب سے سوال کیا کہ بیماری کہاں سے آتی ہے انہیں جواب ملا کہ میری طرف سے پھر پوچھا شفا کون دیتا ہے اللہ نے فرمایا "میں" تو حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ جب بیماری بھی تو لاتا ہے اور شفا بھی تیری طرف سے ہے تو اسمیں طبیب کی کیا حیثیت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ طبیب وہ شخص ہے جس کے ذریعے میں شفاء عطا کرتا ہوں۔ ابوداؤد میں حضور کی حدیث ہے: اِنَّ اللّٰہ تعالیٰ لَم یَنزِلُ دَاءَ اِلَّا اَنزَلَ لَہُ دَوَاء. عَلِمَہُ وَجَحلَہُ مَنْ جَحلَہُ اِلَّاالسَّامُ وَھُوَالْمَوْتِ ط

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری جسکے ساتھ اس کی شفا بھی نہ اتاری گئی ہو۔ جس نے یہ بات سمجھ لی وہ جان گیا اور جس نے نہ سمجھی وہ جاہل رہا۔ لیکن ایک بیماری یعنی موت کی ہے جسکی کوئی دوا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا کیا اور اپنا خلیفہ بنایا تا کہ اسکے بھیجے ہوئے انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کی روشنی میں اس کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے زندگی بسر کرے اور صراطِ مستقیم پر چلتا رہے۔ یہ مومن کے لئے زندگی گزارنے کی مثبت سوچ ہے جو منفی اثرات سے بچاتی ہے۔ محدثین نے سورۃ الفاتحہ کو وباؤں سے بچانے والی، غربت وافلاس سے محفوظ اور بیماریوں سے شفا دینی والی سورت قرار دیا ہے۔ اسکا پڑھنا ہر بیماری کی شفا کا موجب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُمّ ِ القرآن اور سَبعَ مثانی قرار دیا۔ سورۃ الحجر پارہ نمبر ۱۴ میں آیت ۸۷ میں فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعاً مِنَ المثَانِی وَالْقُراٰنِ الْعظیم ط اور ہم نے تم کو اے نبی ﷺ سات آیتوں والی بار بار دہرائی جانے والی سورۃ فاتحہ اور قرآن مجید عطا کیا۔ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ بقرۃ کی آخری دو آیات اُمتِ محمدیہ کیلئے انمول تحفہ ہیں جس کا ثانی کسی دوسری امت پر نازل نہیں کیا گیا۔

ذہنی سکون آج کل کے دور میں مفقود ہے جسکی وجہ اللہ تعالیٰ سے بندوں کی دوری اور اسکے نازل کردہ اللہ کے قرآنی احکام پر عمل نہ کرنا ہے۔ مالی حرص، لالچ، خودغرضی، نفسانفسی، بہت سی ذہنی کاوشوں کو جنم دیتی ہے۔ ذہنی اضطراب، ڈپریشن اور مایوسی اور دیگر نفسیاتی امراض بہت بڑھ گئی ہیں۔ جن کی وجہ سے معاشرہ انحطاط کا شکار ہے اور خودکشیاں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ اسکے علاوہ قتل وغارت، لوٹ مار اور خودکش حملے، مذہبی منافرت جنون کی حد تک بڑھ گئے ہیں۔ اور ہم مذہبی اور اخلاقی

اقدار کھو چکے ہیں۔ ٹینشن اور ڈپریشن کا علاج ادویات میں نہیں، سکون اور اطمینان قلب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الرعد پارہ ۱۳ اور آیت نمبر ۲۸ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب ط تحقیق اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔ ہر وقت اللہ کو یاد کرنے والے اور سچے دل سے اسکے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کرنے والے یقیناً بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں جب انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے ذکر کی مدامت کو ذریعہ بناتے ہوئے اس کا دوست بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی یاد کے اسکے دل میں کوئی خیال نہیں آتا تو وہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا اسکا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ جسے صوفیا کرام اور اولیاء کرام نے حاصل کیا جیسا کہ سورۃ یونس کی اس آیت میں مذکورہ ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِم وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْن ط "یعنی اللہ کے دوستوں کو کوئی غم اور خوف نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ مایوس ہوتے ہیں اور اللہ ہر مصیبت سے انہیں نجات دیتا ہے۔ اس آیت مبارکہ کا ہر نماز کے بعد کثرت سے پڑھنا بہت سی جسمانی و ذہنی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جسم میں ایک ایسا عضو ہے کہ جب وہ صحیح کام کرتا ہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے یہ قلب کہلاتا ہے جو کہ درحقیقت روحانی قلب ہے جس میں انسانی روح سمائی ہوئی ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانی جسم میں پھونکی ہوئی ہے۔ اسکے بغیر انسانی جسم ایک بے جان چیز ہے جب اس قلب پر زنگ یعنی بیماری لگ جاتی تو انسانی چین اور Behaviour بدل جاتا ہے امام غزالی کے مطابق انسان میں تین درجات نفس پائے جاتے ہیں۔ (۱) نفسِ امارہ (۲) نفسِ لوامہ اور (۳) نفسِ مطمئنہ۔ پہلے دو شیطانی وسوسوں اور خواہشاتِ نفسی کے تابع ہو کر بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ جبکہ نفسِ مطمئنہ ہی ایسا نفس ہے جو کہ جبلتی اور نفسانی خواہش سے پاک ہے اور یہی انسانی منزل ہونی چاہیئے جو کہ اسے خدا کے نزدیک لے جاتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ الفجر پارہ ۳۰ میں اس کا ذکر ہے یَا اَیُّھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ط فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف واپس آجا راضی ہو کر اسکی مرضی پر اور میرے بندوں میں داخل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو کہ حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی۔ حضورؐ کی نبوت کی طرح قرآنِ حکیم قیامت تک کیلئے ہے۔ یہ نور مبین ہے اور مومنین کیلئے ہدایت کا سرچشمہ۔ اس مقدس کتاب میں کوئی بھی کسی قسم کی تحریف نہیں لاسکتا۔ یہ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں حفاظ قرآن کی شکل میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الحجر میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ط تحقیق ہم نے یہ ذکر (یعنی قرآنِ حکیم) نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں۔ تحقیق قرآن مجید کا بار بار پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہر بیماری کا علاج ہے۔ کیونکہ یہ رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ سورۃ حٰم سجدہ (آیت نمبر ۴۴) میں ہے: قُلْ ھُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھُدًی وَّ شِفَاءٌ یہ قرآن ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ہدایت اور شفا کا سرچشمہ ہے۔ قرآنی احکامات میں معاشرتی زندگی بسر کرنے کے تمام امور لکھے ہیں۔ شادی، بیاہ، فیملی مسائل، یتیموں کی پرورش، عورتوں کے حقوق، بیوگان کی مدد، حرام اور سود خوری سے پرہیز، بے جا راہ روی اور دیگر اخلاقی اقدار کا ذکر ہے۔ جو کہ انسانی صحت اور اطمینانِ قلب کا ضامن ہے۔ زکواۃ کا نظام مساویانہ دولت کی تقسیم کا ذریعہ ہے اور غربا و مساکین کے مسائل کا حل ہے۔ نماز انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا اور فرمانبرداری سکھاتی ہے اور بہت سی جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں کا حل ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتوں پر ایمان اور اسکی وحدت کا دل سے اقرار کرنا ایمان کا جز و لاینفک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر دلوں کی صیقل ہے۔ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے اور لیٹے کثرت سے

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مشکلات اور مسائل کا حل ہے اور عین اطاعت ہے
۔

تہجد کی نماز فرض نہیں مگر اس وقت اٹھنا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، نوافل و ظائف میں مشغول ہونا اطمینان قلب کا باعث ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت علی الصبح اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقبول ہے۔ مراقبہ میں جا کر لفظ اللہ پر توجہ مبذول کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنا باعثِ اطمینان قلب ہے۔ سورۃ الرعد پارہ نمبر ۱۳ میں آیت نمبر ۲۸ میں اسکا ذکر ہے۔

اَلَا بِذِکرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ تحقیق اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون ملتا ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں ذہنی وجسمانی بیماریوں بشمول ڈپریشن بہت کم ہو جاتی ہے۔ روزہ ڈھال ہے اور روحانی تقویت کا باعث ہے۔ ڈپریشن کا علاج بذریعہ نماز تہجد بغیر ادویات کے کامیاب علاج ثابت ہوا ہے۔ (ڈپریشن کا علاج بذریعہ نماز تہجد) ۱۹۸۴ مئولفہ پروفیسر محمد شریف چوہدری) سروسز ہسپتال میں ڈپریشن کے مریضوں پر کامیاب علاج کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل (پارہ نمبر ۱۵) میں فرمایا ہے۔ وَمِنَ الَّیلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ط یعنی تہجد کی نماز رات کے پچھلے حصہ میں ادا کرو، جو کہ آپکے لئے نفل ہے۔ اسلام اپنے والدین اور بزرگوں کا احترام سکھاتا ہے۔ یورپین اور مغربی مما لک میں یہ نظریہ مفقود ہے۔ بوڑھے والدین کو سنبھالنا اولاد کی ذمہ داری نہیں اور انہیں ہوٹلوں اور سوشل ویلفئیر اداروں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اولاد انہیں پوچھتی تک نہیں اور وہ اولاد کو دیکھنے کی تمنا لئے ہوئے اس جہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں بدلے ہوئے حالات کے باوجود ابھی تک والدین کا احترام کیا جاتا ہے۔ اسلام میں بوڑھے والدین کی خدمت ایک درجہ رکھتی ہے جس نے خدمت کی اور انہیں بڑھاپے مین سنبھالا وہ فلاح پا گیا۔ جیسے قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ میں ذکر ہے ۔وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا اے رب ان پر رحم کر جیسے انہوں نے ہمیں پالا پوسا بچپن میں (سورۃ بنی اسرائیل پارہ (۱۵)

قرآن مجید کے باعثِ شفا اور رحمت ہونیکا ثبوت مندرجہ ذیل آیات میں ہے

۱۔وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ط سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۸۲)

ہم نے قرآن کے ذریعے مومنین کیلئے شفا اور رحمت بخشی ہے۔

۲۔قَدْ جَاءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ط (سورۃ یونس آیت نمبر ۵۷)

اور تمہارے رب کی طرف سے رحمت کے کلمات پہنچائے گئے ہیں جو کہ سینہ کی بیماریوں اور مسائل کیلئے شفا کا ذریعہ ہیں۔

بہت سی جسمانی و ذہنی تکلیف دہ اور ظاہراً لاعلاج بیماریوں سے بچنے کیلئے مندرجہ ذیل آیت قرآن کا وردِ بحالتِ مراقبہ اور یقین کامل کے ساتھ موجبِ شفا ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض پوری آیت پڑھے

(سورۃ نور پارہ ۱۸ آیت نمبر ۳۵) اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا نور ہے الغرض بہت سی دوسری سورتوں کا پڑھنا اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرنا شفا کا ذریعہ ہے۔

قرآن مجید کی سورتیں یہ ہیں:

سورۃ یسین، سورۃ کہف، سورۃ نوح، سورۃ الواقعہ، سورۃ الرحمن، سورۃ الزلزال، سورۃ الکافرون، سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس شرط یہ ہے یقین کامل سے پڑھے۔ بہت اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعا مانگے اور رزقِ حرام سے بچے۔ اللہ تعالیٰ لازمی شفا بخشنے والا اور مہربان ہے اور اسکی رحمت بہت وسیع ہے۔

آیت الکرسی جو کہ سورۃ البقرہ کی آیت ہے اور تیسرے پارے کے

شروع میں ہے اسے حضورؐ نے قرآن مجید کی سردار آیت قرار دیا ہے اور سب سے بڑی آیت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وحدت وعظمت اور اس کا حی و قیوم ہونا بیان کرتی ہے۔ اس کا پڑھنے والا بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسکے گھر اور املاک کی حفاظت کرتا ہے جو بندہ اللہ تعالیٰ پر ہر حالت میں توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ اسے محفوظ رکھتا ہے اور اسے اطمینان قلب عطا فرماتا ہے جبکہ سورۃ زمر کی آیت مبارکہ ۳۶ پارہ ۲۴ میں ہے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیلئے کافی نہیں۔ سورۃ النحل پارہ نمبر ۱۴ آیت نمبر ۹۲ ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ط یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہو یعنی مال اولاد اور خود تمہاری زندگی ختم ہونیوالا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ بندہ کی فانی زندگی اور حق تعالیٰ کی ابدیت اور آخرت میں نعمتوں کی عطائیگی کا ذکر ہے۔ اس آیت مبارکہ کا ورد مال اولاد کی بے سباطی، اپنی کم مائیگی کی یاد دلاتا ہے اور خالق حقیقی کی محبت اور فنا اللہ کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور بیماری کا شعور ختم کر دیتا ہے۔

اِن آیات کو پاک وصاف ہو کر مراقبہ کی حالت میں پڑھیں اور ندامت پیدا کریں۔ انشاء اللہ ہر مصائب و تکالیف سے نجات ملے گی۔

۔سورۃ بنی اسرائیل کے آخر میں یہ آیت مبارکہ ہے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط اور ہم نے اس قرآنِ حکیم کو حق اور سچائی کے ساتھ نازل کیا اور سچائی کے لئے ہی نازل کیا ہے۔ اس آیت مبارکہ کا پڑھنا بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ تفاسیر کی کتابوں میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک بزرگ محمد بن سماک بیمار ہوئے تو ان کے متوسلین ان کا قارورہ ایک نصرانی طبیب کے پاس لے گئے۔ راستے میں ایک بزرگ ملے۔ نہایت خوش رو اور خوش لباس۔ انکے جسم سے پاکیزہ خوشبو آرہی تھی۔ انہوں نے کہا کہاں جارہے ہو۔ ان لوگوں نے کہا ابنِ سماک بیمار ہے ان کا قارورہ فلاں طبیب کے پاس لیجارہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ کے ولی کیلئے خدا کے دشمن سے مدد چاہتے ہو۔ قارورہ پھینکو اور واپس جاؤ ان سے کہو کہ مقام درد پر ہاتھ رکھ کر اس آیت مقدسہ کو پڑھو۔ یہ آیت مبارکہ یہ تکرار پڑھی فوراً آرام آگیا اور صحت یاب ہوگئے۔ محمد بن سماک نے فرمایا وہ بزرگ حضرت خضرؑ تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ کے آسماء حسنیٰ کا ذکر کروں جو کہ ۹۹ پاک نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان بابرکت اور پاک ناموں میں شفا ہے۔ ان ناموں میں ایک اسمِ اعظم ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہے۔ ان اسمائے حسنیٰ کا ورد کرنے والا ہر بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ بشرطیکہ اخلاص اور خشوع وخضوع سے پڑھے اور خود بندہ متقی اور پرہیزگار اور رزق حلال کھانے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ان آیات سمیت پورا قرآن باقاعدہ پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

درج ذیل بیماریوں کے علاج کے لئے رجوع فرمائیے!

(1) زنانہ مردانہ بانجھ پن (2) ہیپاٹائٹس B&C (3) بلڈ کینسر (4) دل کی شریانیں اور والو بند ہونا۔

(دل کا آپریشن کروانے سے پہلے ایک بار ضرور رابطہ کریں)

ادویات بذریعہ ڈاک بھیجی جائیں گی۔

رابطہ کیلئے 0345-8960642 اوقات رابطہ : دن 2:00 تا 4:00 بجے (اس کے علاوہ زحمت نہ فرمائیں)

شیخ کی ذمہ داری

شیخ کا کام ہے کہ آپ کا رشتہ اللہ سے جوڑ دے، آپ کا اللہ کی نافرمانی سے بچنے کو دل چاہنے لگے۔ یہ کام ہے، شیخ کا، یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کے لئے پورے خلوص سے محنت کرے، ذمہ داری شیخ کی یہ بھی ہے کہ وہ پوری دیانتداری سے ہر آنے والے کے ساتھ اتنی محنت کرے کہ یہ زیادہ سے زیادہ قرب الٰہی حاصل کرے اور اللہ سے بات کرنا یہ آپ لوگوں کا اپنا کام ہے۔ آپ کا اپنا رب ہے آپ جو چاہیں مانگیں۔

ماخوذ از " کنز الطالبین"

تعاون
تاجران کاٹن یارن اینڈ پی سی یارن
شیخ ناصر، شیخ عبدالستار گلی نمبر 1 بالمقابل رحمان مارکیٹ
منٹگمری بازار، فیصل آباد فون 041-2617075-2611857

they owe to others? Unfortunately they have never given this a second thought. The staff that calls a strike for its rights will ironically be seen drinking tea and chit-chatting during office hours while so much work is left pending. In our schools, the curriculum that can be taught in three months is not even completed in a year, yet the teachers draw the salary. Similarly the shopkeepers simply want to earn more and more money without ever being contented or having a thought for giving some respite to the customers. So nobody wants to do his duty, which is the right of some of his fellow being. For instance, when a clerk does not fulfil his duty diligently, then the rights of so many lie buried in the files that haven't been attended to, many bills need to be passed whereby people may draw their salaries or other dues, in the absence of which they are forced to postpone many of their plans. A doctor demands his rights, but is he fulfilling his duty honestly? Is he treating his patients conscientiously? So when a person does not care about his responsibilities, then his rights are also not safeguarded, as his rights, in turn, are the responsibilities of others. Whereas, it is the right of the students of Dar ul-Irfan to progress, it is my obligation as the head of this institute to train them and instruct them to the best of my ability. If I fail to do my duty then they will be deprived of knowledge. Forsaking our duties and merely demanding our rights will never get us anything, because all of us are sitting on the rights of one another.

In the eyes of Islam, a human being is the one who has the courage to forgo his right, but is extremely conscientious about his duties towards others. Unfortunately, we have re-versed this order and only demand our rights, whereas we should forgo our rights hoping that this action of ours may earn us clemency and be a source of atonement for our follies. Each individual must strive to lead a life in which he follows the footsteps of the Holy Prophet-SAWS with utmost sincerity, and thus be a member of the Humanity.

اسلام ان تین سلامتیوں کا مجموعہ ہے۔ان میں سے ایک بھی چھوٹے گی تو وہ باقی دو کو بھی چھوڑ دینے کے برابر ہے۔قرآن کا دامن چھوٹ جائے تو اللہ اور نبی ﷺ کو ماننے کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا۔دامان نبوت ﷺ چھوٹ جائے تو قرآن کو اور اللہ کو ماننے کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا۔اللہ کی توحید میں دراڑ آجائے تو نبی ﷺ کی عظمت یا قرآن کی صداقت ماننے کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا۔یہ تینوں ارکان بنیاد ہیں۔

طالبان حق پر جو مصیبت آتی ہے اول تو تلافی مافات کے لئے ہوتی ہے اور وہ اللہ کا انعام ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال میں، انسان کے کردار میں بے شمار کیلیں ڈھیلی رہ جاتی ہیں۔انہیں اللہ اپنی رحمت سے کس دیتے ہیں، وہ کمی نکال دیتے ہیں۔معمولی سی تکلیف سالوں کے مجاہدے کا اجر دے جاتی ہے۔اگر یہ بات نہ ہو تو کم از کم یہ ضرور ہوتا ہے کہ اس سے کسی بڑی تکلیف کو ہٹا کر وہاں چھوٹی رکھ دی جاتی ہے۔

or his children do not offer their obligatory prayers (Salah) or do evil, then he will be held responsible for all this, as he deserted them in violation of the responsibility entrusted to him. Moreover paying ultra importance to an isolated obligation, whereby all his energies are directed in that cause; for instance a person may always be seen offering prayers, but if on the other hand he is not working honestly at his workplace for which he receives a salary, then what good will that excessive worship earn him?

Wilayah does not mean isolation or segregation from society, rather all the accomplished Aulia (saints) in the past not only conveyed the Prophet's-SAWS teachings, but also his-SAWS Barkaat (blessings) to the mankind. They were always the ones who lived a mundane life, raised children, fulfilled their obligations in devout compliance to their Prophet-SAWS and thus became the source of delivering Islam in its pristine form to generations. Whereas the ones who themselves failed to maintain a balance could not pass it on to others, the person cannot hold himself together he cannot convey it to others. One cannot pin hopes on a person who cannot even stand up to offer a shoulder to lean on. Strangely enough such imbalanced people, who lead an incomplete life and cannot not handle their affairs and obligations are taken as Wali-Allah in our society. Ironically this concept is totally in contrast to Islam, and the Quran has attributed this opinion to the infidels. This concept of excellence was held by the Infidels that the Prophets-as should not lead a mundane life rather have a lifestyle which is super-natural. Allah rejects their opinion and says that all the Prophets-as and Messengers-as sent hitherto, lived a normal life and though some of the Prophets-as were also the rulers, and some were affluent yet they employed means for making a living, rather than being a burden on the State's treasury. Allah made such re-sources available whereby His Prophets-as were not dependant on the treasury rather they earned their living through lawful means.

Similarly Wilayah means that a person recognizes his duties. A common feature of our national life is protest rallies, strikes and congregations in demand for rights, somewhere it is the clerks demanding their rights, or the doctors want their demands to be fulfilled, or the teachers call a strike, or the shopkeepers announce a shutter-down strike, or the public transporters call it a day off. When asked why, they all give the same reply that they want their rights! But they must be asked whether they are fulfilling what

Unfortunately, a similar misconception is held about sainthood (Wilayah) amongst public, and they believe that saints or Aulia are some super-natural creation that lives in seclusion in the jungles, have no urge to eat or drink, have no family or social interactions. The question arises that had the Aulia been such a species, what good could they possibly do to mankind? There is a wide range of species of the natural inhabitants of the jungles, so if some human beings opt to live there, how can it be taken as an excellence? If a person does not participate in any sector of social interaction, he does not deal with anyone, then where will he demonstrate the nobility in his character? How will he prove that he is honest? How will the level of his truthfulness be measured? How can he endorse the im-portance of trustworthiness in the society? If he fails to do so then standing up all night in offering supererogatory prayers (Nawafil) will not avail him, as Allah is in no need of his Nawafil. It is true that our beloved Prophet-SAWS spent long hours in worship through the night, but can anyone else claim to accomplish the participation in public, social, political, economic, religious aspects of life the way he-SAWS did? No other human being can even imagine such activity!

Let us view a single aspect of the noble life of our beloved Prophet-SAWS, spent in Medina Munawwarah which spreads out over a decade; during this period approx.84 battles were fought altogether between the believers and infidels. Some of these battles are called Ghazwah, meaning the one lead personally by the Prophet-SAWS, while some are called Sar'ayah, for which the Prophet-SAWS appointed a commander, who acted as his-SAWS deputy. Our country ever since it came into existence has witnessed two major wars, one in 1965 that lasted for a fortnight, and one in 1971, but ironically the nation hasn't recovered hitherto from the impact. The inflation, and other lapses are all attributed to the wars, so the question is that if we haven't recovered yet from two wars, isn't it a formidable task to lead a nation through 84 wars within 10 years to emerge as a progressive prosperous and accomplished leader of the world? The establishment of the foundation of an Islamic world against the entire infidel community, and in the process encountering the infidel might, and at the same time listening to each and every believer's personal problems, guiding them on matrimonial matters, suggesting names for their new-borns. Moreover training each and every individual personally regardless of his calibre, from a beginner to an erudite scholar, and then simultaneously leading them

religious institute may not find the time or need for participating in other worldly affairs, thus fails to contribute in any other sphere of the society. All the above situations denote a shortcoming; while excellence would mean that a person leads a mundane life, and toils for providing means of sustenance for himself and to those dependant on him. By far it is more obligatory to give the rights oth-ers enjoy on us in daily life than the mere performance of hajj. This includes the rights of parents, of siblings, spouses, children and the society in general. It is important that a harmony is maintained and no deliberate shortfall committed in this context. It is not nec-essary that others will reciprocate, but one must always, keeping in mind the Omnipres-ence of Allah try his best to perform all his duties, which he owes to all around him. Hav-ing done so, if he can also offer a lot of Nawafil, it is highly commendable, but it must be remembered that Nawafil can never

substitute obligations and one must exert to fulfil all the obligations levied upon him. The Prophets-as of Allah therefore always lead a life which meets the highest standards of humane excellence, whereby they engage in all human endeavours, such as earning a liv-ing, having a household, eating, drinking etc and concomitantly they convey the message of Allah to His creation. The Prophets-as thus evolve a complete society and lead the peo-ple on the right path. The Last Messenger-SAWS of Allah, is assigned with an unparalleled responsibility, and thus his-SAWS contribution is also unmatched, as after his-SAWS annuncia-tion, he-SAWS offers guidance to the entire mankind and informs them about the perils en-route, and the ones who wish to follow are offered a comprehensive guidance. This is the duty entrusted to the Last Messenger-SAWS of Allah.

The objection raised by the infidels about him-SAWS leading a mundane life is being rejected by Allah with the reasoning that the Prophet-SAWS is not the first one to be sent as His Messenger, there have been many before him-SAWS, and even the infidels claim to be the followers of some of them. For instance the Quraysh of Makkah claimed to be the fol-lowers of Prophet Ibrahim-as the Jews claimed loyalty to Prophet Musa-as, and the Chris-tians to Prophet Isa-as. The Quran says that all those Prophets-as also consumed food, moved around in the markets and lead a normal mundane life. A Prophet's life is never segregated from the mainstream of human activity; rather it is adorned with the highest human values.

employing un-lawful means to fulfil his needs is like an animal. Living in total submission to Allah, having no physical or social needs, and being in a constant state of Allah's remembrance is only typical of angels. Blending these two characteristics together in perfect harmony will make humanity, which is a status far exalted than both. A human being is trained and groomed in order to inculcate humanity in him, by the role models of humanity i.e. the Prophets-AS of Allah. The most perfect example, the most exalted role model is the noble personage of the Last Messenger-SAWS of Allah. On one end the exultations enjoyed by him-SAWS are beyond the imagination and access of angels, yet on the other end we see him leading a worldly life that offers practical guidance to the entire spectrum of mankind, from a king to a shepherd. His-SAWS life is a perfect example of a normal wholesome life whereby every individual can seek

guidance and do whatever he is best at doing, without any inconvenience or pretence. Many scholars have discussed the people who forsake their obligations as a whole, and pursue only one of these as a passion. For instance, some dedicate themselves to the pas-sion of performing Hajj every year, and in order to arrange for the expenses may borrow money, or sell off their property depriving their families of sustenance, their children of education and their parents of service and care. When Allah has ordained Hajj only once in a lifetime, then what will a person achieve by performing it fifty times at the cost of neglecting so many duties towards others? Similarly, some people are very fond of offer-ing supererogatory prayers (Nawafil) in abundance and excel above the common man. However if all other obligations such as earning lawfully, raising children are neglected and only Nawafil are offered, it is nothing commendable. Our Prophet-SAWS also offered Nawafil in abundance, but when we look at his personal and public life we find him-SAWS to be concomitantly the head of an extended family, the leader of the entire Ummah, a legislator, a jurist, a commander-in-chief, and a guardian of the Islamic State. Managing such a wide range of engagements and yet leading a normal life is the excellence enjoyed singularly by the Prophet-SAWS, nobody else can possibly achieve this perfection; rather we end up dedicating our entire energies to only one aspect of life. For instance, a person heading a large family finds himself totally entangled in the affairs of his kith and kin, or a person holding a high office finds no time for his family and yet cannot claim that he is working par excellence. A person running a

because they, despite being human, possess only animal existence.

When a human being is blessed with the light of Iman (Faith), and is fortunate to avail the company of the noble people, a process of transformation starts within him, which sub-dues his biological or animal instincts and overwhelms him with angelic attributes. Whereby such habits begin to inculcate in him that are typical to angels, for example to eat less, sleep less, talk little, mind one's own business, worship and remember Allah, obey Allah's commands. Now these are angelic attributes, but to become an angel is not the destination of a human being; rather, the apex of excellence can only be achieved by man when he becomes a real human being. All such people whom you find on the Path, who lost consciousness of worldly affairs, did not interact with public, and never uttered a word except some form of Allah's Zikr, are infact those who couldn't complete their training and in the process got stranded in the acquisition of angelic attributes. Now, gen-erally people take them as extremely accomplished saints, and the evidence to their excel-lence is again their super-human endeavours, sleepless nights spent in prostration, no in-clination for food or social interaction etc. Although these are angelic characteristics, but to become an angel is not the destination of man.

The destination of man is to be human, so then what is a human being after all? Humanity is that a man progresses beyond the angelic attributes and leads a commonplace worldly life in which he experiences the animal instincts, has relationships, likes and dislikes, and then he knows how to handle all of them in the most perfect manner. He recognizes the rights of everyone, his family, friends, even enemies, fellow citizens, country, and dili-gently discharges his duty towards all of them. Living with all these liabilities, and striv-ing for their fulfilment is a normal animal life, whereas fulfilling all these in compliance with Allah's and His Prophet's-SAWS orders is an angelic trait, as the highest angelic trait is obedience to Allah's commands. The angels, Quran tells us, never disobey the commands they get. When the biological instincts are overwhelmed by the angelic attributes then a person adheres to Allah's commands in all of his affairs. He fulfils the rights of his kith and kin, community and nation as a whole, in a way his Allah and His Prophet-SAWS want him to do.

So when the angelic and animal attributes co-exist in a person in this manner, he qualifies to be rated as human being. A person living without any compunction about

The Destination of Mankind
Translated Speech of
His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan
Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

9 June 1990

At the time of the Holy Prophet's-SAWS annunciation as Allah's Prophet, the infidels were of the opinion that if he is a messenger from Allah, he should be someone with a super-natural lifestyle, distinct from the ordinary human ways and beyond the access of a com-mon man. For instance, the Prophet, in their opinion, should not feel the urge to eat or drink, or undertake worldly tasks like an ordinary man. They also expected an angel to escort him, who would announce his Prophethood before the masses, and that heavenly treasures should have been sent down to support his mission, whereby he could have dis-tributed it amongst the people and also enjoyed himself, and gardens that appear miracu-lously, be laid down for him. However, they saw none of their aforementioned criteria befitting the Prophet-SAWS; rather they saw him possessing all human attributes and also participating in all activities of life. They found nothing supernatural in his lifestyle, so they concluded that he was under a magic spell, which had affected his mental capacity, thus making him say what he claimed. Allah says, 'behold what examples they coin for you. The comments made by these infidels are blatantly blasphemous, and their opinion about you has lead them astray, and if they hold on to this ideology, they can never be guided to the right path.' If we don't indulge into a long discussion, we can understand this concept easily. Every human being born into this world is dominated by biological needs. This is why, despite having no knowledge, he does make an effort to maintain his physical self. An infant cries for milk, needs sleep and comforting. So the sense to cater for this physical or animal existence is present in every man almost as soon as he is born and this may remain dominant if he is not brought up properly or remains void of Iman, or remains in evil company. Thus for the rest of his life he lives dominated by his animal instincts. This is why Allah has labelled all those who have failed to believe in Him and obey Him, or have failed to develop a connection with His beloved Prophet-SAWS, as people worst than animals,